مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبال کے ایماء اور قائداعظم کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ __________________ لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25-بی گلبرگ۔2 لاہور 54660

ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-5764484

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
سپاسنامہ بحضور قائداعظمؒ	ادارہ	8
ربوبیت عامہ	عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ	13
حقائق و عبر	ادارہ	15
باب المراسلات	ادارہ	23
احتساب خویش	ڈاکٹر محمد اسلم نوید	27
قائداعظمؒ کی حاضر جوابی	ہاجرہ نصیر احمد	29
مسلم کا دستور العمل	جناب ماسٹر نور محمد	33
قائداعظم کا انتباہ	پروفیسر محمد منور مرزا	43
Value Education	ڈاکٹر منظور الحق	64

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ مجلّہ طلوعِ اسلام اپنے دورِ ثانی سے پاکستان کے ساتھ قدم بقدم چل رہا ہے۔

انتظامیہ چیئرمین: ایاز حسین انصاری۔ ناظم۔ محمد لطیف چوہدری
مدیر مسول: محمد لطیف چوہدری۔ مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔
ناشر: عطاالرحمن ارائیں۔
طابع: خالد منصور نسیم۔ مطبع: النور پرنٹرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور-54660

جلد 50 شمارہ 03- مارچ 1997ء

بدل اشتراک

ایشیاء، افریقہ، یورپ 600 روپے آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 800 روپے اندرون ملک فی پرچہ 15 روپے سالانہ 170 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

...... کا مشن پورا کریں گے

پاکستان کے سیاسی افق پر نمودار ہونے والے رہنما' آئے دن اس قسم کے بیان دیتے رہتے ہیں کہ ہم ...... کا مشن پورا کریں گے۔ مثلاً

بے نظیر صاحبہ کہتی رہی ہیں کہ وہ اپنے والد (شہید) ذوالفقار علی بھٹو کا مشن پورا کریں گی۔

اعجاز الحق صاحب کہتے رہے ہیں کہ وہ اپنے والد (شہید) جنرل ضیاء الحق کا مشن پورا کریں گے۔

مرحوم مرتضیٰ بھٹو یہ کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے والد (شہید) ذوالفقار علی بھٹو کا مشن پورا کریں گے، کیونکہ بے نظیر صاحبہ نے ان کی پارٹی کو گمراہ کر دیا ہے۔

اور اب ان کے قتل کے بعد' ان کی بیوہ غنویٰ بھٹو نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ وہ اپنے شوہر (شہید) مرتضیٰ بھٹو کا مشن پورا کریں گی۔

اور اسی طرح..... کہتے رہتے ہیں کہ وہ ..... کا مشن پورا کریں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمارے دانشور' علمائے کرام اور مشائخ عظام ہمیں آئے دن یہ مژدہ ہائے جانفزا سناتے رہتے ہیں کہ ہماری نجات و سعادت فلاں بزرگ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔

یہ سب کچھ سن کر اور پڑھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ان سب حضرات کو کس نے کہہ دیا ہے کہ پاکستان ان مذکورہ لوگوں کے مشن (اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیا مشن تھے) پورا کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا' یا' ان بزرگوں کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لئے بنایا گیا تھا۔

اور پھر ہمیں اس پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کہاں سے آ وارد ہوئے ہیں اور انہیں مملکتِ خداداد پاکستان میں ایسی حیثیت کس طرح حاصل ہو گئی ہے کہ وہ قوم کو ان راہوں پر چلانے کے پروگرام بنائیں۔

تحریکِ حصول پاکستان کے دوران' قوم نے' حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے دیئے ہوئے تصورِ پاکستان اور حضرت قائدِ اعظمؒ کے بیان فرمودہ مشن کی تکمیل کے لئے' آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے' حصولِ پاکستان کے لئے اپنی جد و جُہد کا آغاز کیا اور چند ہی برسوں میں مملکتِ پاکستان وجود میں آ گئی۔

آل انڈیا مسلم لیگ، جسے حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ جیسا با اصول، دیانت دار اور بے لوث رہنما میسر آیا تھا، ایک انتہائی فعال اور منظم جماعت تھی جس نے مسلمانانِ ہند کی قیادت کا فریضہ مثالی انداز میں ادا کیا، اور اس وقت کی، مسلمانوں کی تمام تنظیموں (**بشمول** جماعتِ اسلامی) کی مخالفتوں کے علی الرغم، ملّت کے سفینۂ حیات کو صحیح و سالم، ساحلِ مراد تک پہنچایا۔

یہ ہماری بد قسمتی تھی کہ ہمارا وہ رہبر فرزانہ جو ہمیں ہندی سیاست کے اُن تمام طوفانوں سے بحفاظت نکال لایا تھا، جن کے گرداب میں قوم گِھر چکی تھی، جلد ہی ہم سے رخصت ہو گیا، وہ جس کی قیادت نے اس بات کا جیتا جاگتا، ناقابلِ تردید ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ جب اِس قوم کی منزل متعیّن ہو اور اِسے دیانتدار، بے لوث اور مخلص قیادت میسّر آ جائے تو وہ، ہر ناممکن کو ممکن بنا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ حضرت قائدِ اعظمؒ کی وفات کے بعد، قوم اِس اہل قیادت سے محروم ہو گئی اور وہی مسلم لیگ جس نے ابھی ابھی ایک ناقابلِ یقین معرکہ سر کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے ایک سے دو اور دو سے تین دھڑوں میں تقسیم ہوتی گئی اور اُس نے اِس بری طرح قوم کا اعتماد کھو دیا کہ اُن لوگوں کو مسند ہائے اقتدار پر قبضہ کرنے کا موقع ملتا رہا جن کے فرزندان اور وارثان آج ہمیں اُن کے مشن پورا کرنے کی نویدیں سناتے رہتے ہیں۔

ہم ان تمام حضرات کو صاف صاف الفاظ میں، آج یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ مملکتِ پاکستان کو، ان میں سے کسی کے مشن کو بھی پورا کرنے کے لئے حاصل نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی کسی کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے اور یہ کہ یہ مملکتِ خداداد، کسی کے باپ کی جاگیر نہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مملکتِ پاکستان کے حصول کا مقصد کیا تھا۔

غیر منقسم ہندوستان کے ایک مخصوص علاقہ میں، ایک آزاد اسلامی ریاست کا تصوّر، مفکّرِ پاکستان حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 1930ء منعقدہ الٰہ آباد، میں اِن الفاظ کے ساتھ قوم کے سامنے پیش کیا تھا:

".......میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے (ہندوستان کو حکومتِ خود اختیاری، زیر سایۂ برطانیہ ملے یا اس سے باہر) کچھ بھی ہو، مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام، کم از کم اس علاقے کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔"

(ماہنامہ طلوع اسلام، دہلی مارچ 1939ء صفحہ 53)

اس متحدہ اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد انہوں نے اپنے اِس خطاب میں آگے چل کر یہ بیان فرمایا کہ:

"لہٰذا ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کے متعلق میرا یہ مطالبہ، ہندوستان اور مسلمانانِ ہند کے بہترین مفاد پر مبنی ہے۔ اس سے چونکہ اندرونی طاقتوں میں توازن پیدا ہو

جائے گا، اس لئے ملک میں امن و امان قائم ہو جائے گا۔

تو ہندوستان کا فائدہ ہو گا اور اسلام کو موقع ملے گا کہ اس پر عربی ملوکیت سے جو غیر اسلامی اثرات غالب آ چکے ہیں، اُن سے مخلصی حاصل کر لے اور اپنے شرعی قوانین اور اپنی تعلیم اور اپنے کلچر کی تنظیم (نو) کر کے، انہیں اپنی اصلی روح اور عصرِ حاضر کی [illegible] سے قریب تر لا سکے۔"
(ماہنامہ طلوع اسلام دہلی، مارچ 1939ء صفحہ [illegible])

یہ تھا حصولِ پاکستان کا مقصد اور یہ تھا اس کے قیام کا مقصد، اس کا تصوّر دینے والے مفکّر کی نظر میں۔ یعنی اسلام کے احیاء سے اسے اپنی اصلی روح اور عصرِ حاضر کی ضروریات سے قریب تر لانا۔

با الفاظ دیگر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ منشور پر عمل درآمد کرنا۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے قوم کے سامنے یہ مشن اور یہ منزل رکھی اور پھر قوم کو اس منزل کی طرف، جادہ پیما کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی سیاست میں وہ وقت آ پہنچا ہے جب اس جدوجہد کو منظم، اجتماعی، سیاسی شکل دینا ضروری ہو گیا ہے تو انہوں نے اس ملّی جنگ کی قیادت کے لئے محمد علی جناحؒ جیسے صاف گو، دیانت دار، نڈر اور زیرک قائد کا انتخاب کیا۔ ان کی کوششوں سے محمد علی جناحؒ واپس ہندوستان تشریف لائے اور قوم کی سیاست کی باگ دوڑ سنبھالی اور چند ہی سالوں میں اپنی محنت، لگن، اَن تھک کوششوں اور قیادت کے بے مثال جوہروں کی بدولت، اسلامیانِ ہند کے قائدِ اعظمؒ بن گئے۔

حضرت قائدِ اعظمؒ نے تحریکِ حصول پاکستان کی قیادت سنبھالی اور قوم کو اپنی شبانہ روز کی محنت سے منظم کرنے کے بعد، 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجتماع، منعقدہ منٹو پارک لاہور (حالیہ قرار دادِ پاکستان پارک) میں، وہ تاریخی قرار دار (قرار دادِ لاہور) قوم سے منظور کروائی، جس نے حصولِ پاکستان کو اپنی منزل قرار دیا۔

آپ نے اس کے بعد، قوم کے سامنے بالا ستمرار، اس مجوزہ مملکت کے مقاصد کو دو ٹوک اور کھلے کھلے الفاظ میں پیش کیا، تاکہ اس بارے میں کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے کہ اس مملکت کے حصول سے مقصد کیا ہے۔ آپ 1941ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ تو عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اسلامی مملکت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ، قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ ہی کسی اور شخص یا ادارہ کی (پارلیمانی جمہوریت کے علمبردار، بانیٔ پاکستان کے ان الفاظ پر توجہ

ایں)۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت' دوسرے الفاظ میں' قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی کا نام ہے۔"

(حسنِ کردار کا نقش تابندہ' قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ جون 1945ء ایڈیشن' صفحہ 19)

1945ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے' آپ سے پیغامِ عید کی فرمائش کی تو آپ نے انہیں لکھا کہ:

"تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں' جب کہ ہمارے پاس اس سے پہلے ہی ایک پیغام موجود ہے جو ہماری راہنمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم' قرآنِ مجید۔"

(تقاریر قائد اعظمؒ۔ جلد اول' 516 ۔ بحوالہ حسنِ کردار کا نقش تابندہ صفحہ 52-51)

27 نومبر 1945ء کو حضرت قائدِ اعظمؒ نے ایڈ ورڈس کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے' ارشاد فرمایا کہ:

"ہم دونوں قوموں (مسلمانوں اور ہندوؤں) میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے' جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔"

(حسنِ کردار کا نقش تابندہ۔ صفحہ 87)

یہ اقبالؒ کی بیان کردہ اسی قرآنی حقیقت کا اعادہ تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

گرتو می خواہی مسلماں زیستن   نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے' یہ درحقیقت اُسی فرمودہ رسولؐ کی تفسیر تھا جسے حضورؐ نے اپنے آخری خطاب "خطبۂ حجتہ الوداع" کے موقع پر مسلمانانِ عالم سے خطاب میں ان الفاظ میں ارزاں فرمایا تھا کہ:

"**وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوابعدہ' ان اعتصتم بہ کتاب اللہ** میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ ہے کتاب اللہ"

کاش قائدِ اعظمؒ کی زندگی کچھ اور وفا کرتی اور انہیں اِتنی مہلت مل جاتی کہ وہ قوم کو وہ قرآنی دستور بنا کر دے جاتے' جس کا انہوں نے اپنی زندگی میں بارہا اعادہ کیا تھا۔ اس سے قوم کب کی اپنی منزل مقصود (اس مملکت میں قرآنی نظام کا قیام) پا چکی ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اُن کے بعد اُن کے پاکستان اور اس کے باسیوں پر جو کچھ گذری' وہ ہماری اپنی داستان ہے جسے دہرانے کی

[illegible]

[illegible] والی قوم کو کیا [illegible] آئی ایم ایف اور [illegible] قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں سرفراز اور کامران کی [illegible] تھا۔

ہماری نظر میں' اس سب کی ذمّہ دار' پاکستان مسلم لیگ [illegible] مصلحت کوشیوں اور دھڑے بندیوں سے نہ صرف اپنی حیثیت کھو دی بلکہ ملک اور قوم کو بھی بے پناہ نقصان پہنچایا۔

بارے ! کہ 50 سال کے بعد' اسے پھر سے ایک جواں ہمت اور جواں سال رہنما میسر آگیا ہے جس نے اس کے تنِ مردہ میں زندگی کے شرارے پیدا کر دیئے ہیں اور قوم کے سامنے اپنے ایسے رفیع اور بلند پروگرام رکھے ہیں کہ 1997ء (3 فروری) میں ہونے والے عام انتخابات میں' قوم نے ایک بار پھر عنانِ حکومت ان کی طرف لوٹا کر' اسے تلافیٔ مافات کا موقع دیا ہے۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس بار پاکستان مسلم لیگ کی قیادت کو وہ بصیرت اور وہ جذبہ ہائے بلند عطا کرے' جو تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران اس کا خاصہ تھے' اور پاکستان کی یہ خالق جماعت اس پروگرام کی تکمیل کا سبب بنے' جو اس کا گوہرِ مقصود تھا۔

یاد رکھئے کہ یہ مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک صرف قرآنِ کریم اور اُسوۂ رسولؐ کو رہنمائے حیات نہیں بنایا جاتا۔

قرآن کریم نے حضور نبی اکرمؐ کا فریضہ یہ بتایا ہے کہ۔

....ویضع عنھم اصرھم و الا غلٰل التی کانت علیھم... (7/157)

"(یہ رسولؐ) انسانیت کے سر سے وہ بوجھل سلیں اُتار دے گا جس کے نیچے وہ (صدیوں سے) دبی چلی آ رہی ہے اور اُن زنجیروں کو کاٹ پھینکے گا جن میں یہ اب تک جکڑی چلی آ رہی ہے۔"

اور جس کی تفسیر میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

"میں ایسا نظام قائم کروں گا کہ ایک عورت' زیورات میں لدی ہوئی' تنِ تنہا شام سے چل کر' صحراؤں اور جنگلوں میں سے ہوتی ہوئی یمن تک چلی جائے گی اور اسے اللہ کے سوا' کسی کا خوف نہیں ہو گا۔"

اللہ تعالیٰ نے وسائلِ رزق کے متعلق فرمایا ہے کہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا... (11:6)

" اس روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کے رزق کے ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔"

اس کی تفسیر میں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مرگیا تو قیامت کے دن عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہوگی۔" (شاہکارِ رسالت ایڈیشن نومبر 1973ء صفحہ 364)

اور اس ذمّہ داری سے عُہدہ برآ ہونے کا جو پروگرام انہوں نے بیان فرمایا وہ یہ تھا:

"لوگو! مجھے اللہ نے اس بات کا ذمّہ دار ٹھہرایا ہے کہ میں تمہاری دعاؤں کو اس تک پہنچنے سے روک دوں۔ (ایضاً" صفحہ 410)

یعنی ایسے نظام کا قیام میری ذمّہ داری ہے کہ تمہاری تمام ضرورتیں خود بخود اس طرح پوری ہوتی جائیں کہ تمہیں اللہ سے کچھ مانگنا نہ پڑے۔

مختصراً" امن و امان کی ایسی صورت حالات کہ کسی فرد کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو اور ضروریاتِ زندگی کی ایسی بہم رسانی کہ انسان تو انسان' کوئی جانور بھی بھوک سے نہ مرجائے۔

اگر پاکستان مسلم لیگ ایسا کرسکے تو پاکستان کے عوام تن' من اور دھن سے اس کے دست و بازو بن جائیں گے۔ ورنہ مقاصد سے انحراف کا مزہ تو یہ پہلے ہی چکھ چکی ہے۔ اللہ کرے' اس بار ایسا نہ ہو کیونکہ قانون خداوندی کی میزان میں قومی جرائم کی معافی نہیں۔

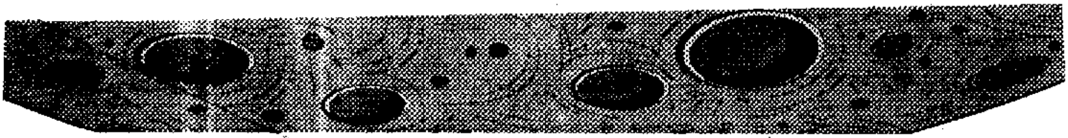

پمفلٹس

1- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہیں- 2- کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟ 3- اسلامک آئیڈیالوجی- 4- دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے- 5- کیا ہم آزاد ہیں؟ 6- کیسا حسین تھا یہ خواب- 7- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟ 8- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟ 9- الصلٰوۃ 10- زکوٰۃ 11- حسن کردار کا نقش تابندہ- 12- تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک-

RUPEE ONE PER PAMPHLET

قیمت ایک روپیہ فی پمفلٹ علاوہ محصول ڈاک-

ادارہ طلوع اسلام -- 25 بی گلبرگ 2' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

سپاسنامہ

بخدمت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ

(23 مارچ 1940ء)

مارچ 1940ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں طلوعِ اسلام نے بھرپور شرکت کی۔ اپریل 1940ء کے شمارہ میں اس اجلاس کی روئیداد میں طلوعِ اسلام کے اُس سٹال کا ذکر بھی ملتا ہے جو اجلاس کے دوران لیگ کے پنڈال کے باہر نصب کیا گیا تھا۔ سٹال کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے مدیر طلوعِ اسلام لکھتے ہیں کہ سٹال سے ہمارا مقصد پمفلٹوں کی اشاعت سے کہیں زیادہ کرم فرمایانِ طلوعِ اسلام سے ذاتی طور پر متعارف ہونا تھا اور شکرِ ایزدی کہ اس باب میں ہم فائز المرام واپس لوٹے۔

ہمیں یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ ہندوستان کے دُور دراز اور غیر معروف گوشوں کے لوگ آتے اور کوئی ایسا نہ تھا جو طلوعِ اسلام سے پہلے ہی واقف نہ ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا صدقہ ہے کہ جو اس مردِ مومنؒ کی دعاؤں کے طفیل ہمارے حال پر ارزاں ہوا جس کی یاد طلوعِ اسلام کا سرمایۂ زندگی ہے۔ ہمارے لئے یہ امر باعث صد مسرت تھا کہ جو حضرات وہاں تشریف لائے۔ ان کا ادارہ سے محض ایک رسالہ کے خریدار کا سا تعلق ہی نہ تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو ادارہ کا ایک جز سمجھتے تھے۔ ادارہ کے ساتھ ان کا رشتہ علمی کی بجائے یکسر قلبی تھا۔

سٹال پر ویسے بھی ہماری توقعات سے بڑھ چڑھ کر رونق رہی اور اس ہجوم میں ہمارے بعض احباب اگر ہمارا ہاتھ نہ بٹاتے تو ہمیں بڑی مشکل کا سامنا ہوتا۔ بعض کتابیں سٹال پر اتنی جلد ختم ہو گئیں کہ ایک کثیر تعداد حضرات کو مایوس لوٹنا پڑا۔

یاد رہے کہ ادارہ طلوعِ اسلام کا دفتر اُن دنوں دہلی میں تھا اور علامہ غلام احمد پرویزؒ بھی دہلی ہی میں مقیم تھے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے مذکورہ بالا اجلاس میں شرکت کے لئے نہ صرف یہ کہ ادارہ طلوعِ اسلام کا وفد دہلی سے لاہور آیا بلکہ اپنی والہانہ محبت اور عقیدت کے پیش نظر ادارہ نے اس تقریب میں قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ بھی پیش کیا جو تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ تجدیدِ یاداشت کے لئے اُسے آج پھر سامنے لایا جا رہا ہے۔ مدیر

سپاسنامہ

بخدمت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ
(23 مارچ 1940ء)

بہ شرفِ نظر

شیرِ بیشۂ بیباکی و حریت۔ ضیغمِ نیستانِ جرأت وبسالت۔ شاہینِ افلاکِ تدبرّو سیاست۔ پروانۂ شمعِ اخوت وحمیت۔ طرۂ کلاہِ ملک وملت۔ بطلِ جلیلِ ہندیاں، وقائدِ اعظمِ اسلامیاں۔ عظمتِ محترم القام جناب محمد علی جناح۔ مدظلہ العالی

حریت نواز !

ذرا تصور میں **لائیے** ایسے وقت کو کہ ایک وحشت انگیز ہولناک بیابان میں راہ گم کردہ مسافروں کا ایک بکھرا ہوا قافلہ نشانِ منزل سے مایوس ہو کر ضعفِ عزیمت سے پاشکستہ بیٹھ چکا ہو۔ ایک درماندہ راہرو کی صدائے دردناک جو آوازِ رحیل کا کام دے رہی تھی' فطرت کے اٹل قوانین کے ماتحت خاموش ہو چکی ہو۔ شام کا بھیانک سناٹا۔ سر پر منڈلانے والی شبِ تیرہ وتار کی ہیبت انگیزیوں کا پیامِ جانکاہ دے رہا ہو۔ غاروں میں چھپے ہوئے درندوں کے پاؤں کی آہٹ موت کو قریب تر لاتی نظر آرہی ہو۔ درختوں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے رہزنوں کی ریشہ دوانیاں دامنِ صحرا پر پھیلتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ بڑھتی چلی آرہی ہوں۔ وہ لوگ جن کی قیادت و سیادت پر بھروسہ تھا'برادرانِ یوسف کی طرح اپنے قافلہ کی گراں بہا متاع دوسروں کے ہاتھ بیچ ڈالنے کی فکر میں ہوں۔ غرضیکہ ہلاکت یقینی اور تباہی اٹل معلوم ہوتی ہو۔ افرادِ قافلہ میں سے جن کے دلوں میں اس الم انگیز کیفیت کا احساس ہو ان کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اُٹھ رہی ہوں کہ دُور اُفق امید سے ایک شاہسوار رواں دواں امیدوں کی ایک دنیا اپنے ساتھ لئے ان سوختہ سامانوں کی طرف بڑھتا چلا آئے۔ منتشر افرادِ کارواں کو پھر سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دے اور اپنوں اور بیگانوں کی تیار کردہ ہلاکت و بربادی کی گھاٹیوں سے بچاتا ہوا انہیں کسی محفوظ مقام کی طرف لے جانے کی فکر کرے۔ اندازہ فرمایئے کہ جو قلبی کیفیت اس وقت اُن راہ گم کردہ مسافروں کی ہو گی' وہی حالت آج ملتِ اسلامیہ (ہندیہ) کی ہے۔ تحریکِ آزادی کے آغاز میں مسلمانوں کی عمومی حالت یہ تھی کہ یہ ریت کے ذروں کی طرح بکھرے پڑے تھے کہ تیز ہوا کا جھونکا آتا اور انہیں اِدھر سے اُدھر اُڑالے جاتا۔ پانی کی رَو آتی اور اُنہیں اپنے ساتھ بہا لے جاتی۔ اس کاروانِ بے سالار کی متاعِ گراں بہا کو لوٹنے کے لیے چاروں طرف سے قوتیں ہجوم کر کے آرہی تھیں۔ غیر تو غیر' خود اپنوں کی یہ حالت تھی کہ ان کی سحر طرازیاں اور فسوں سازیاں ملتِ بیضا کو خدائے طورِ سینا سے ہٹا کر

کو سال ... کی موت اپنی ... عالم ...

... مرد راہ داں کے لئے

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو

قوم کی صحیح راہنمائی کرنے والے ایک ایک کر کے ... اقبال کی آخری شمع جس کی ضیا پاشیوں سے لاکھوں آنکھیں پُر نور تھیں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو بجھ چکی تھی۔ اس ... اور بیکسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اِس منتشر قافلہ کی شیرازہ بندی کے لئے آپ کی ذات ... اور آپ کی نگہ دور رس نے اس قافلے کو بتایا کہ ان کے گردوپیش کس کس قسم کی خطرناک گھاٹیاں ... ہیں۔ وہ گھاٹیاں کہ جن میں کہیں "متحدہ قومیت" کے دامِ ہمرنگِ زمین میں کبوترِ حرم کو پھانسنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ کہیں کسی منبر سے یہ آواز آ رہی تھی کہ قومیتیں مذہب سے نہیں، اوطان سے بنتی ہیں اور یوں اس طائر لاہوتی کے بال و پر کو غبار آلودۂ ارض و بوم بنا کرامتِ رسولؐ کا فۃً للنّاس کو جغرافیائی حدود کی آب و گِل میں محبوس کیا جا رہا تھا۔ کہیں "**امرهم شوریٰ بینهم**" کی حامل قوم کی نگاہوں میں مخلوط انتخابات کے سراب کو آبِ حیوان بنا کر دکھایا جا رہا تھا۔ کہیں اس "**اولی الامر منکم**" مامور جماعت کے لئے غیر مسلموں کی امامت و قیادت کو عین دین قرار دیا جا رہا تھا۔ کہیں انگریز کے خلاف "متحدہ محاذ" کے طلسم سے کفار و مشرکین سے تولّی کے جواز کے فتاویٰ شائع ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایک مغنیٔ آتش نفس سرودگاہِ واردھا کی مستعار لَے میں یہ خواب آور گیت گا رہا تھا کہ عالم گیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں اس لیے اسلام کو کسی دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت نہیں۔ دوسری طرف کچھ خداوندِ مکتب، شاہین بچوں کے لئے، احساس بازو شکن تعلیم کی اسکیمیں تیار کر رہے تھے۔ ہندو اپنے ذہن میں "رام راج" کے قیام کے منصوبے باندھ رہا تھا اور اس کے لئے انگریز سے "شریفانہ معاہدے" Gentleman's agreement استوار کر رہا تھا۔ ہندوں کے شور و غوغا سے متأثر انگریز بھی مسلمانوں کو بلا تامل ہندو کے ہاتھ میں دے دینے پر آمادہ تھا کہ وہ اپنی پانچ ہزار سالہ غلامی کا جذبۂ انتقام اس کے خون سے ٹھنڈا کرے۔ جو لوگ اغیار کی صفوں میں کھڑے ہو کر ملّتِ اسلامیہ کی نمائندگی کے دعوے کر رہے تھے ان میں اتنا سمجھنے کی بھی استطاعت نہ تھی کہ بساطِ سیاست پر یہ آئینی مہرے کس طرح چلائے جا رہے ہیں۔ ہندو خوش تھا کہ میں نے 9 کروڑ فرزندانِ توحید کو اچھوتوں کی صف میں ملا دیا۔ انگریز راضی تھا کہ وہ خنجرِ ہلال، جس کے بے نیام ہونے کے خوف سے کلیجۂ صلیب میں ہمیشہ دھڑکن رہتی تھی، اسے گنگا کی لہروں میں بہا دیا گیا کہ اس کسمپرسی کے عالم اور اس خلفشار و تشتت کے وقت آپ آگے بڑھے اور ہندوؤں اور انگریزوں کے ہر خفیہ منصوبے اور ہر پوشیدہ سازش کو ایک ایک کر کے بے نقاب کر دیا اور یوں ان کے تصورات کی حسین دنیا کو ایک خوابِ پریشان میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور ساری دنیا پر اس حقیقت عظمیٰ کو واضح کر دیا کہ

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

بطل جلیل القدر !

ہمیں خوب احساس ہے کہ آپ کی منزل کس قدر کٹھن اور راستہ میں کس قدر مشکلات کا سامنا ہے۔

جہاں تک غیروں کا تعلق ہے مسلمان جیسی منتشر قوم کے مقابلہ میں ہندوستان اور برطانیہ کی دو بڑی قوتوں کا متحدہ محاذ ہی کچھ کم سنگِ گراں نہیں لیکن غیروں سے کہیں زیادہ مہیب اور جان گداز مشکلات خود اپنوں کی پیدا کردہ ہیں۔ ان "اپنوں" کو بھی چھوڑیئے جو محض اپنی سنہری اور روپہلی مصلحت کوشیوں کی خاطر نشرگاہِ واردھا (Radio Station) کے آلات مکبرالصوت (Loud Speakers) بنے ہوئے ہیں، وہ تو اس مخالفت پر مجبور ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ماتم تو ان "مخلص منافقین" کا ہے جن کی رفاقت و حمایت بیش ازیں نیست کہ

کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو

جن کا مقصدِ وحید اپنے طرۂ وجاہت کا قیام و بقا ہے، خواہ یہ آستانۂ خواجہ یثرب سے وابستگی ظاہر کرنے سے حاصل ہو جائے یا لشکرِ بولہبی میں شمولیت سے۔ بایں ہمہ نہ ان غیروں کا ہجومِ مخالفت ایسا ہے کہ اس سے کچھ خوف کھایا جائے اور نہ اپنوں میں سے بعض کی نوازشہائے بیجا اور دوسروں کے طعنہ ہائے دلخراش ایسے کہ ان کا غم کھایا جائے۔ کہ جو حق پر ہو اسے کسی کی مخالفت کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون تیری گھات میں ابتک
مگر کیا غم کہ تیری آستیں میں ہے یدبیضا

● ● ●

حریّت مآب!

ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ مسلمانوں کی موجود تگ و دوِ حیات میں جو نصیب العین آپ کے سامنے ہے وہ وہی ہے جو ہر مسلمان کی نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیے۔ جس کے دل میں بہ حیثیت مسلمان زندہ رہنے کی تڑپ اور اپنی نسلوں کو بہ حیثیت مسلمان رکھنے کی آرزو موجزن ہے اور کسے معلوم نہیں کہ وہ نصب العین ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند (Muslim India) کی تشکیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ جس طرح آپ احوال و ظروف کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے قدم بقدم اس درخشندہ نصب العین کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں وہ آپ کی بلند نگاہی اور حسنِ تدبّر کا آئینہ دار ہے۔ سطح بیں لوگوں نے آپ کو صرف ایک فاضل مقنّن اور دیدہ ور مدبّر کی حیثیت سے ہی پہچانا لیکن جن لوگوں کو آپ کے قریب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مبداءِ فیض نے آپ کو اس قدر ذہن رسا کے ساتھ ساتھ کس قدر دلِ پُرسوز و پُردرد کی نعمتوں سے نوازا ہے۔

خرد نے تجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
سکھائی عشق نے تجھ کو حدیثِ رندانہ

اور قلب و نظر اور عقل و عشق کا یہی امتزاج ہے جو ایک ناخدائے کشتیٔ ملّت کی متاعِ گراں بہا ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

عالی مرتبت!

آپ یقین فرمایئے کہ جس قوم کی فلاح و بہبود آپ کی زندگی کا منتہیٰ ہے۔ اُس قوم کا سوادِ اعظم آپ کی قیادت و امارت پر کامل بھروسہ رکھتا ہے اور اُن کی خاطر آپ نے جو گرامی قدر قربانیاں کی ہیں، اُن کے دل

میں ان کا پورا پورا احساس ہے۔ [illegible] ملت اسلامیہ کے اس اجتماعِ عظیم کی تقریب پر آپ کی تشریف آوری [illegible] نقطۂ نگاہ سے Constitutionally ابھی پراونشل لیگ کا قیام بھی عمل میں نہیں [illegible] حقیقت آپ کی نگاہ سے مستور نہ ہو گی کہ پنجاب کا ایک ایک قریہ اور اس قریہ کے ایک ایک [illegible] آپ کی عظمت وعقیدت کا نشیمن بنا ہوا ہے۔ بس کسی ایک مردِ خود آگاہ و خدا دوست کے نعرۂ مستانہ کی [illegible] طوفان بلا انگیز کسی سے روکے نہیں رکے گا۔ اس وقت بچے گا وہی جو کشتیٔ ملت میں اخلاص و دیانت سے سوار ہو گا۔ اور پکارنے والا پکارے گا کہ

لا عاصمَ الیوم من امر اللّٰہِ الّا من رَحِمَ

سید القوم !

ادارۂ طلوع اسلام، جسے ہزار ہا پُر خلوص اور صحیح النظر مسلمانوں کی ترجمانی کا فخر حاصل ہے، اجلاسِ لیگ کی صدارت پر آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہے اور مستدعی ہے کہ جس نصب العین کی طرف آپ کا قدم اٹھ رہا ہے، قوم کو اس کی طرف اور تیز گامی سے بڑھاتے جایئے۔ اس نصب العین کے حصول کے لئے اگر ضرورت پیش آئی تو آپ دیکھیں گے کہ قوم کس طرح کفن بردوش و سربکف آپ کی دعوت پر لبیک کہتی ہے۔

باشہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خودرا بر سلطنتِ جم زن

اراکین ادارہ طلوع اسلام۔ دہلی

✻ ✻ ✻

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربوبیتِ عامہ

عبداللہ ثانی ایڈوکیٹ

قرآنِ کریم نے حیاتِ انسانی کے لئے جو قوانین وضع کئے ہیں، ان قوانین پر عمل پیرا ہونے سے ہی دونوں جہانوں کی سرفرازیاں نصیب ہو سکتی ہیں۔ اگر ان قوانین سے رُوگردانی کی گئی تو نتیجہ **معیشةً ضنکاً** (20/124) کی صورت میں سامنے آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

اب جب کہ نئی حکومت وجود میں آ چکی ہے جو اپنے آپ کو قائد اعظمؒ کی قائم کردہ مسلم لیگ کا جانشین قرار دیتی ہے، ہم قائدِ اعظمؒ کے بے شمار فرمودات میں سے، بغرض یاد دہانی، صرف ایک فرمان، حکومت کے سامنے رکھتے ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے، انہوں نے 1943ء میں جاری فرمایا تھا۔

> "اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے فتنہ انگیز، ابلیسی نظام کی رُو سے، جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے، کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ اُن کے رَگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں، خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ، ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ اس وقت معاشی بدحالی ہے جس کی بڑی بڑی وجوہات وسائلِ رزق (زمین) پر گنے چنے افراد کی اجارہ داری اور ملک کی روز افزوں بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔

وسائلِ رزق کی اجارہ داریاں توڑنے کی لئے "اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کو بروئے کار لاتے ہوئے زمین کی ملکیت، زمین کے اصل مالک، اللہ تعالیٰ کو لوٹاتے ہوئے جو بوئے وہی کاٹے کا اصول اپنانا ہو گا۔

بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے کے لئے غیر فطری طریق اختیار کرنے کی بجائے ماؤں کو پابند کرنا ہو گا کہ وہ قرآنی احکام کے مطابق اپنے بچوں کو پوری مدت کے لئے دودھ پلائیں اور ہو سکے تو کم بچوں کے والدین کے لئے کچھ مراعات رکھ دی جائیں تاکہ زیادہ بچے پیدا کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔

سوسائٹی میں بیٹیوں کا مقام بلند کیا جائے تاکہ اولادِ نرینہ کے جنون میں دھڑا دھڑ بچے پیدا کرتے چلے جانے

کا رجحان ختم ہو۔

زمانۂ امن میں ہماری فوج کا بہت بڑا حصہ فارغ رہتا ہے۔ اپنے روز مرّہ وظائف کے ساتھ فوج کو بنجر (سرکاری) زمین آباد کرنے کا کام سونپ دیا جائے تو ایک طرف ان میں محنت' مشقت کی لگن پیدا ہو گی تو دوسری طرف فوج سے ریٹائرڈ ہونے پر ان لوگوں کو اسی زمین پر آباد کرنا ممکن ہو گا۔ اس طرح ملک کی زرعی معیشیت پر بھی خوشگوار اثر پڑیگا اور سابق فوجیوں کی بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا۔

نئی حکومت جسے عرف عام میں دائیں بازو کی اسلام نواز حکومت کہا جاتا ہے' قرآن کا پیش کردہ نظامِ ربوبیت اگر ملک گیر سطح پر نافذ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتی' تو بھی تجرباتی طور پر پانچ ہزار افراد پر مشتمل ایک ایسا شہر بسانے کے متعلق سوچا جا سکتا ہے جس میں قرآنی نظامِ ربوبیت کی ابتداء کر دی جائے۔ اس شہر میں مرکزی حیثیت مسجد کی ہو گی۔ پانچ ہزار افراد اپنے میں سے ایک ایسے شخص کا چناؤ کریں جو "**راسخون فی العلم**" ہو' معاملہ فہم ہو' قرآن کریم کی تعلیمات سے آگاہ ہو۔ ملکی قوانین سے ہٹ کر اس شہر کے تمام امور قرآن و سنت کی رُو سے طے کئے جائیں تا آنکہ اس شہر میں امن' بھائی چارے اور خوشحالی کا دور دورہ دیکھ کر عوام کے ذہنوں میں اسلام کے دورِ اول کی یاد تازہ ہو جائے اور پھر اس تجربے کو دوسرے شہروں تک بڑھایا جا سکے۔

محنت کی عظمت کو جتنی جلد ہو سکے بحال کیا جائے۔ اُجرت کا تعین کرتے وقت کم سے کم بنیادی ضروریات کی کفالت کا اصول لازمی قرار دیا جائے اور اس کے لئے حکومت مستقل بنیادوں پر ایک کمیشن مقرر کرے۔ یہ کمیشن سال میں دو دفعہ بنیادی ضروریات اور ان پر اُٹھنے والے مصارف کا تعین کرے جو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے لئے راہنما اصول کا کام دے۔

حکومت اگر عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہے تو حکومت کو چاہئے کہ سالانہ بجٹ پیش کرنے سے پہلے عوام کو لچھے دار ادبی تقریر سنانے کی بجائے پاکستان میں بسنے والے اوسطاً" پانچ افراد پر مشتمل گھر کا بجٹ بھی پیش کرے اور ساتھ یہ بھی بتائے کہ عوام گھر کے بجٹ کا خسارہ کس کی جیب کاٹ کر پورا کریں۔

• • •

ضروری اعلان

مجلّہ طلوع اسلام آئندہ ہر ماہ کی 25 تاریخ کو سپرد ڈاک کر دیا جائیگا۔ بزموں اور دکانداروں کیلئے 5 روپے فی پرچہ کے حساب سے معقول کمیشن پیش کیا جاتا ہے۔ بزموں سے التماس ہے کہ وہ مقامی بک سیلرز اور نیوز ایجنسیوں سے آرڈر حاصل کر کے پرچے کی اشاعت بڑھانے میں معاونت فرمائیں۔

چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

۱۔ اقوالِ رسولؐ کی درجہ بندی!

کسی بھی حدیث کی قبولیت و عدم قبولیت کے لیے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے اور اس کتاب کی حیثیت کیا ہے' اس سلسلے میں اہلِ تحقیق محدثین کرامؒ نے کتب حدیث کی صحت' شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے کتب حدیث کے چار طبقے متعین فرمائے ہیں۔ چنانچہ:

طبقہ اولیٰ کی کتب۔

اصح کتب الحدیث کہلاتی ہیں' اور ان کے بالترتیب نام یہ ہیں:۱۔ موطا امام مالک ۲ ۔ صحیح بخاری ۳ ۔ صحیح مسلم۔

طبقہ ثانیہ کی کتب۔

طبقہ اولیٰ کی کتب سے نیچے درجے کی ہیں' اور ان کے نام ہیں:

۱۔ جامع ترمذی۔۲۔ سنن ابی داؤد۔۳۔ سنن نسائی۔۴۔ مسند احمد۔

طبقہ ثالثہ کی کتب۔

ان کتب میں اکثر حدیثیں ایسی ہیں جو فقہاء کرام کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں' بلکہ اجماع اور امت کا عمل ان کے خلاف ہے' ان کے نام ہیں:

۱۔ مسند شافعی'۲۔ مسند دارمی'۳۔ مسند ابی یعلیٰ موصلی'۴۔ مسند عبدالرزاق'۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ'۶۔ مسند عبد بن حمید'۷۔ مسند ابی داؤد طیالسی'۸۔ صحیح ابن حبان'۹۔ مستدرک حاکم'۱۰۔ سنن دار قطنی'۱۱۔ سنن ابن ماجہ'۱۲۔ کتب بیہقی'۱۳۔ کتب طحاوی'۱۴۔ کتب طبرانی

طبقہ رابعہ کی کتب' ان کتب میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہیں کہ جن کا قرون اولیٰ یعنی صحابہ کرامؓ اور تابعین کے عہد میں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ ان کتب میں:

۱۔ کتاب الضعفاء عن ابن حبان'۲۔ تصانیف حاکم'۳۔ کتاب الضعفا عن عقیلی'۴۔ کتاب الکامل لابن عدی'۵۔ تصانیف ابن مردویہ'۶۔ تصانیف خطیب'۷۔ تصانیف ابن شاہین'۸۔ تفسیر ابن جریر'۹۔ فردوس دیلمی'۱۰۔ تصانیف دیلمی '۱۱۔ تصانیف ابی نعیم'۱۲۔ تصانیف جوز جانی'۱۳۔ تصانیف ابن عساکر'۱۴۔ تصانیف ابی الشیخ اور ۱۵۔ تصانیف ابن نجار کے نام شامل ہیں۔ اور ان کتب میں جو احادیث منقول ہیں وہ اس قابل نہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے لیے انہیں دلیل بنایا جائے۔ اس قسم کی احادیث نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے' اور ان کتابوں میں احادیث کی بہت سی سندیں دیکھ کر دھوکا کھا گئے ہیں' اور ان کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے ہیں۔ اور حزم و یقین

کے موقع پر طبقہ اولی و ثانیہ کی احادیث کو چھوڑ کر اس قسم یعنی درجہ رابعہ کی احادیث کو سند قرار دے کر ایک نیا مذہب بنا لیا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ گلستان بابت نومبر/دسمبر 1996ء)

طلوع اسلام۔

طلوع اسلام کے نزدیک رسولؐ اللہ کا کوئی قول ضعیف نہیں ہو سکتا خواہ وہ کسی کتاب میں درج ہو بشرطیکہ وہ قول رسول اللہؐ کا ہی ہو۔اور اس کی پہچان؟ ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضورؐ کا کوئی قول کتاب اللہ سے ہٹ کر نہیں ہو سکتا۔

• • •

2۔ درس نظامی ایک جائزہ

زیر نظر اقتباس پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی (نائب صدر عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کی ایک تقریر کی تلخیص سے ہے جو انہوں نے جمعیت طلبہ عربیہ پاکستان کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے 35 روزہ پروگرام "تدریب المعلمین" اسلام آباد میں ارشاد فرمائی۔ (بشکریہ ماہنامہ شمس الاسلام بابت نومبر/دسمبر 1996ء)

برصغیر میں اسلامی تعلیم کا رواج ایک انتظامی ضرورت کے تحت شروع ہوا۔ محمود غزنوی فقہ شافعی کا پیرو کار تھا اس لئے اس کے بعد بھی یہاں جو اسلامی حکومت تھی اس کی اکثریت فقہ شافعی کی پیرو کار تھی۔ لیکن بعد میں مختلف اسباب کی بناء پر فقہ حنفی مروج ہو گئی۔ سلطنت کا سارا نظام شریعت ہی کے مطابق جیسا کہ فقہ حنفی میں اس کی تعبیر ہے جاری ہو گیا۔ اس کے لئے افراد کار اور ماہرین کی ضرورت تھی، اس مقصد کے لئے ایک نظام تعلیم بنایا گیا۔ چنانچہ اسی ضرورت کے تحت ایک طویل عرصہ تک فقہ کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ باقی علوم برائے نام تھے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو پہلی بار مشکوٰۃ کا نسخہ ساتھ لائے اس کے بعد مشکوٰۃ مروج ہو گئی۔ شاہ ولی اللہ حج سے واپسی پر موطا امام مالک ساتھ لے آئے تو مشکوٰۃ اور موطا دونوں رائج ہو گئیں۔ جب دارالعلوم دیو بند قائم ہوا تو پوری صحاح ستہ درس نظامی کے ایک انتہائی درجے میں شامل کی گئیں۔

اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ نصاب عمومی انداز میں باقاعدہ نصاب نہیں تھا جو دینی علوم میں تخصیص پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ کام لوگ انفرادی طور پر کیا کرتے تھے۔ بنیادی نصاب فقہ ہی کا تھا۔ کیونکہ اس فقہ کے بغیر قضاء احتساب اور سرکاری منصب نہیں ملتے تھے۔ اس لئے انتظامی ضرورت کے تحت فقہ اور پھر فقہ کو سیکھنے کے لئے اصول لازمی ٹھہرا۔ اصولِ فقہ کے لئے منطق اور فلسفہ اور دیگر معاون کتب لازمی تھیں۔ یہ نصاب ہندوستان میں ایک ہزار برس جاری رہا۔ (مختلف ادوار میں

مروج رہنے والا یہ نظامِ تعلیم ملا نظام الدین سہالوی سے پہلے اور بعد میں بھی جاری رہا) ان ادوار میں مختلف کتابیں مقبول ہوئیں اور مختلف اساتذہ مقبول ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں اس دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

جب مغلیہ سلطنت کمزور پڑ گئی اور انگریزوں نے طاقت پکڑنا شروع کی۔ بندرگاہوں پر قبضہ کے لئے انہوں نے بمبئی مدراس اور کلکتہ پر قبضہ کیا۔ زیادہ کامیابی سے بنگال پر قبضہ ہوا۔ بہار اور یوپی کے کچھ حصہ پر قبضہ کے بعد مرکزی سلطنت نے انگریزوں کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ پھر مغلیہ سلطنت اور انگریزوں کے درمیان معاہدۂ انتقالِ دیوانی طے پایا۔ اس معاہدہ کا بڑا گہرا تعلق درس نظامی سے ہے۔ معاہدے میں طے کیا گیا کہ انگریز ان دونوں صوبوں کے عدالتی نظام کو نہیں چھیڑیں گے۔ مسلمان عدالتیں اور قاضی شریعت محمدیؐ کے مطابق فیصلے کریں گے جسے انگریزوں نے تسلیم کر لیا۔ دونوں صوبوں میں نظام مرتب کرنے کے بعد انہوں نے تحقیق کی کہ شریعت کے لئے فقہ حنفی کے ماہرین کہاں سے لائے جائیں چونکہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں نظام تعلیم آزاد تھا۔ یہ اسلامی روایت ہر جگہ رہی ہے کہ نظام تعلیم حکومتوں کے کنٹرول سے باہر اور آزاد تھا لیکن انگریزوں کو کچھ کرنا تھا کیونکہ ان کی روایت یہ تھی کہ نظام تعلیم حکومت کے کنٹرول میں ہی ہو۔ اس لئے وہ جاننا چاہتے تھے کہ اسے حکومتی کنٹرول میں کیسے لائیں۔ نیز وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ ماہرین شریعت کا انتخاب کس بنیاد پر کریں! انہیں کسی نے مشورہ دیا کہ درس نظامی اس معاملے میں بہت مفید ہے۔ چنانچہ نظام الدین سہالوی نے جو اس وقت زندہ تھے، یہ نظام بنا کر دے دیا۔ ان کے نام کی مناسبت سے یہ درس نظامی کہلاتا ہے۔

1857ء میں کمپنی کی حکومت کے خاتمہ اور براہ راست انگریزی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی انتقال دیوانی کا معاہدہ بھی ختم ہو گیا۔ انہوں نے شریعت کا دائرہ ایک ایک کر کے محدود کرنا شروع کر دیا۔ پہلے حدود، پھر دیوانی قوانین، پھر شخصی قوانین سے ہوتے ہوئے آخر میں نکاح، طلاق رہ گیا۔ مکمل انگریزی تسلط کے ساتھ ہی عدالتیں ختم ہوئیں اور اوقاف ضبط ہو گئے۔ اب مسلمانوں کے لئے مسئلہ اپنے ورثہ کے تحفظ کا رہ گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے سوچا کہ امت مسلمہ کی دینی رہنمائی کے لئے کچھ کیا جائے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس میں بھی درس نظامی کو کچھ ترمیم کے ساتھ اختیار کیا گیا۔

مولانا نظام الدین سہالوی کے درس نظامی میں 200 کے قریب کتابیں تھیں جن میں تقریباً 56/55 علوم شامل تھے۔

دارالعلوم دیوبند نے منطق و فلسفہ میں قابل ذکر تبدیلی کی۔ طب کو نکال دیا۔ مولانا گنگوہی اس بات کے قائل تھے کہ منطق و فلسفہ مکمل طور پر خارج کر دیا جائے۔ بعد میں مولانا کو بمشکل آمادہ کر کے کچھ کتابیں رکھی گئیں اس طرح تقریباً 80 کے قریب کتابیں منتخب ہوئیں۔

تفسیر کا شروع سے اہتمام کیا گیا۔ اس سے پہلے درس نظامی میں تفسیر نہیں تھی۔ (جلالین یا بیضاوی

کی ایک صورت تھی جو برائے نام تھی) اس طرح صحاح ستہ کو شامل کیا گیا۔ اس سے قبل مشارق الانوار اور مشکوٰۃ اور بعد میں موطا پڑھائی جاتی تھی۔ لیکن صحاح ستہ کو ٹھوس انداز سے پڑھانے کا اہتمام نہیں کیا گیا' بلکہ یہی بات یہ ہے کہ درس نظامی میں اب بھی حدیث کو بطور علم حدیث اور قرآن کو بطور علم قرآن نہیں پڑھایا جاتا۔ ایک سال میں پوری صحاح پڑھا دی جاتی ہیں حالانکہ حق ادا کیا جائے تو ایک بخاری بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ پہلے چھ ماہ کتاب الایمان میں لگا دیئے جاتے ہیں۔ بحث ہوتی ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں۔ یہاں لوگوں کے ایمان ضائع ہو رہے ہیں اور لوگوں نے ایمان ہی چھوڑ دیا ہے۔ آج کے دور کے انسان کا نہ یہ مسئلہ ہے اور نہ ہی اس بحث سے ہمارے اور آپ کے ایمان پر کوئی فرق پڑتا ہے۔ چھ ماہ اس بحث میں گزر جاتے ہیں۔ اس طرح حدیث میں رفع یدین' آمین بالجہر اور تراویح وغیرہ جیسے مسائل کی افضلیت اور غیر افضلیت ثابت کرنے میں ساری توانائیاں خرچ ہو جاتی ہیں۔ حنفیوں کے ہاں بقیہ تین ماہ بخاری کی تنقید (بعض الناس) کا جواب دینے میں اور اہل حدیث کے ہاں امام بخاری کی تائید میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا' اس سے نہ تو طالب علم کو بحث ہے اور نہ اساتذہ کو۔ اس طرح کا معاملہ قرآن مجید کے درس اور تفسیر کا بھی ہے۔ بیضاوی کے ذریعہ قرآن نہیں علم کلام پڑھایا جاتا ہے۔ کیونکہ زمخشری معتزلی کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس پر ملا عبدالحکیم کے حاشیہ کا اسلوب بھی کلامی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ معتزلہ کی تردید نہ کریں۔ ضرور کریں لیکن علم کلام میں کریں۔ قرآن پڑھاتے ہوئے معتزلہ اور ماتریدیہ کا کیا سوال؟ یہ درس نظامی کے متعلق میرا ذاتی تأثر ہے آپ اختلاف بھی کر سکتے ہیں۔ ایک اور تأثر میرا یہ ہے کہ درس نظامی کا ایک خاص مقصد تھا لیکن ہم نے اسے اور مقصد کے لئے اختیار کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے طالب علم کا ایک مخصوص ذہن بنایا جاتا ہے۔ مثلاً" حنفی ذہن۔ پھر دیوبندی یا بریلوی۔ پھر ہلکے یا گاڑھے دیوبندی یا بریلوی۔ اخیر تک خوب پکا کر کے اب اسے مخصوص عینک لگا دیتے ہیں کہ اس عینک سے قرآن پڑھو اور اس عینک سے حدیث۔ حضورؐ کے ارشادات جو ہر چیز سے بالا تر اور ہر چیز پر حاوی ہیں اس کے بعد ہر چیز ختم ہے اور منسوخ ہو سکتی ہے لیکن وائے افسوس یہ ہماری حنفیت دیوبندیت اور بریلویت کو منسوخ نہیں کر سکتے' انہی کی روشنی میں متعارض کی تاویل ہوتی ہے۔ کبھی طالب علم کا ضمیر مطمئن نہیں بھی ہوتا ہے لیکن زبردستی تاویل کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ میاں کو حنفی' دیوبندی بریلوی ثابت کیا جاتا ہے الفاظ سخت ہیں لیکن امر واقعہ یہی ہے۔"

طلوع اسلام۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی (نائب صدر عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کی اس بصیرت افروز تحقیق کے بعد اسلام میں فرقہ بندی کے اسباب جاننے کے لئے کونسا کمیشن بٹھانے کی ضرورت ہے؟

● ● ●

3۔ عصر حاضر میں علماء کا سکڑتا ہوا کردار

ہفت روزہ تسخیر کے مدیر اعلیٰ صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی نے مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر کے علماء کے سکڑتے ہوئے کردار پر جس خلوص نیت سے روشنی ڈالی ہے ہم چاہتے تھے کہ ان کا پورا مقالہ جو ہفت روزہ تسخیر کے 7 دسمبر 1996ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے، قارئین طلوع اسلام کے سامنے لاتے لیکن اپنے ہاں صفحات کی قلت کے پیش نظر ہم ان کے اس طویل مضمون سے صرف دو پیرگراف درج کر سکیں گے۔ جس سے صاحب مضمون کے ذہنی کرب کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہو گا

فرقہ وارانہ مزاج

علماء بلاشبہ انبیاء کے وارث ہیں اور رسول اعظم و آخرصلی اللہ علیہ وسلم کا تو سارا ورثہ علماء ہی کو منتقل ہوا ہے، نبی کے ہاتھوں جو امت تشکیل ہوئی اس کے اخلاق کی تہذیب اور عناصر کی ترتیب علماء نے کرنی تھی مگر بد قسمتی سے تصور امت تحلیل ہو کر فرقہ واریت کے ہیولے میں منتقل ہو گیا، اور یہ ئے برصغیر پاک و ہند میں کچھ زیادہ تیز ہو گئی، فرقہ واریت کے اس بے محابا فروغ میں کچھ فرنگی حکومت کی چالیس اور سیاسی مصلحتیں بھی شامل تھیں، لیکن اس کی آبیاری میں علماء نے بھی پورا پورا حصہ لیا، چنانچہ محبت و نفرت، اپنائیت و اجنبیت، دوستی و عداوت اور قربت و غیریت کا پیمانہ امت نہیں رہی بلکہ فرقہ بن گیا، ہر ایک فرقے کی میزان میں تولا جانے لگا، فرقے کی آنکھ سے دیکھا جانے لگا، فرقے کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا اور فرقے کے سانچے میں جانچا جانے لگا، جب علماء فرقوں کے جواز کے لیے قرآن و حدیث اور فقہی آراء کا سہارا لینے لگے تو عوام کو لازماً" فرقوں میں تقسیم ہونا تھا، اور فرقہ جب ہے ہی تفرقے کا دوسرا نام، تو پھر وحدت و یکجہتی کہاں سے آتی؟ چنانچہ جو قوم فرقوں میں بٹ جائے یا بانٹ دی جائے تو اس کے اہداف و مقاصد اُمت سے مختلف ہوتے ہیں، اُمت عقیدہ و عمل کی وحدت سے تشکیل پاتی ہے اور فرقے مختلف رسوم و شعائر سے مشخص ہوتے ہیں، جب علماء نے فرقہ وارانہ ترجیحات نئے سرے سے متعین کیں تو نفرت و محبت کا ہدف بدل گیا۔ اسلام کے دشمن سے وہ نفرت نہ رہی جو اپنے فرقے کے مخالف سے پیدا ہو گئی، امت کی ذلت پر اتنا ملال نہ ہوا جس قدر اپنے فرقے کی شکست پر رنج محسوس ہوا۔

جب امت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئی تو علماء، امت کے پیشوا نہ رہے بلکہ اپنے اپنے دھڑے کے رہنما بن گئے۔ جس طرح ہر دھڑا دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل گیا اسی طرح علماء بھی ایک دوسرے کی شکست کی آرزو کرنے لگ گئے، ظاہر ہے چار آٹھ فرقے باہم دست و گریباں ہوں گے اور اسی طرح علماء بھی مصروف پیکار تو پھر کہاں کا وزن اور کہاں کا وقار باقی بچے گا؟ کچھ عرصے بعد جب لوگوں

نے عملی زندگی میں اس تقسیم کی کوئی افادیت نہ دیکھی اور وہ رفتہ رفتہ اپنے اپنے کاموں میں لگتے گئے' اور شعور عصر بھی نسبتاً" وسیع اور پختہ ہوتا گیا' گرد و پیش نے بھی نئے حقائق کی نقاب کشائی کی اور مواصلاتی رابطوں نے لوگوں کو نئے زاویوں سے آشنا کیا تو لوگوں کی فرقہ بندی سے وابستگی کمزور پڑتی گئی' اور لوگوں نے محسوس کیا کہ اقوام عالم کی صف میں اگر اُمت' کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی تو چھوٹے چھوٹے فقہی گروہ بھلا کیا کر سکیں گے؟ علماء تو چونکہ ان فرقوں کے رہنما تھے وہ کیسے پیچھے ہٹتے علماء تو ڈٹ گئے مگر عوام کا اچھا خاصا اور مؤثر اور فعال طبقہ پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح لوگوں کا علماء سے اور علماء کا لوگوں سے رابطہ کٹ گیا' نماز' روزہ' زکوٰۃ' مسجد' نکاح' طلاق اور دیگر مسائل کی حد تک تو لوگوں نے علماء سے اپنا رابطہ استوار رکھا لیکن وہ مسائل جن کا ملکی معاملات' سیاسی' اصلاح اور بگاڑ سے تعلق تھا اس سلسلے میں لوگوں نے علماء کو قابل اعتماد نہ سمجھا اور اپنے لیے دوسری راہیں ڈھونڈ لیں' حق یہ ہے علماء نے جتنا زور اپنے اپنے فرقوں کی توسیع و اشاعت پر لگایا ہے اگر اتنی قوت اور ہمت غیر مسلموں کو سدھارنے میں کھپاتے تو خدا شاہد ہے نہ یہ امت بے امام ہوتی اور نہ علماء موردِ الزام ٹھہرتے' فرقہ وارانہ مزاج نے علماء کو محدود دائرے میں محصور کر دیا اور وہ اعلیٰ سماجی اور سیاسی کردار نظروں سے اوجھل ہو گیا جو اصل میں علماء کے شایان شان تھا' اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کی ایک معقول تعداد نے سماجی و سیاسی کردار کے حوالے سے بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا لیکن اس سے کہیں بڑی تعداد نے اس جانب توجہ نہیں دی' یوں صلاحیتوں کا ایک بڑا حصہ امت کی ہدایت کی بجائے گروہی عصبیت میں کھپ گیا' اجتماعی امور میں اجتماعیت کا تصور ہی چل سکتا ہے گروہی ترجیحات وقت کی دھول بن کر رہ جاتی ہیں جو کسی راہی کو گمراہ تو کر سکتی ہے نشان منزل نہیں دکھلا سکتی۔

فتووں کا فراخدالانہ اجراء

ہمارے نزدیک ـــــ فتویٰ ـــــ ایک ماہرانہ قانونی رائے کا نام ہے جس طرح عدالت زیر سماعت مقدمے اور تصفیہ طلب امور میں اٹارنی جنرل' ایڈووکیٹ جنرل یا کسی ماہرِ قانون یعنی وکیل سے رائے طلب کرتی ہے' اسی طرح اسلامی ریاست میں علماء سے کسی مسئلہ میں رائے طلب کی جاتی تھی اور یہی رائے فتویٰ کہلاتی تھی اور آج بھی فقہی و شرعی امور میں عدالتیں ماہرین فقہ اور علماء سے آرا (یعنی فتویٰ) لیتی ہیں اور عدالتیں ان آراء اور فتووں کا بے حد احترام کرتی اور انہی کے مطابق زیادہ تر فیصلے صادر کرتی ہیں۔

لیکن ہمارے ہاں فتووں کا زیادہ تر زور مسلکی مخالفین یا اور چھوٹے موٹے مسائل پر رہتا ہے۔ فلاں دائرہ اسلام سے خارج ہے' فلاں کا نکاح باطل ہو گیا' فلاں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی' فلاں واجب القتل ہے' فلاں کافر ہے وغیرہ

فتووں کی اس کثرت نے فتوے کا وقار اور بھرم مجروح کیا ہے' ڈرامے کے کسی سین پر فتویٰ' اخباری بیان پر فتویٰ' کسی مظاہرے پر فتویٰ' کسی فروعی نوعیت مسئلے پر فتویٰ۔ اس طرز عمل سے لوگوں

کے اندر ایک خاص تاثر ابھرا ہے جو بہرحال علماء کرام کے حق میں مثبت نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ باطل کی گرفت نہ کی جائے' لغویات کا نوٹس نہ لیا جائے' منکرات پر نہ ٹوکا جائے' یہ سب کچھ ہو لیکن تھوک کے حساب سے نہیں بلکہ ٹھونک بجا کر! تاکہ الفاظ و حروف کا وزن باقی رہے۔

قادیانیوں کے خلاف مہم چلی' پارلیمنٹ میں مسئلہ زیر بحث آیا' علماء کرام نے وہاں دلائل کا انبار لگا کر حق ادا کر دیا۔ قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ آج کوئی انتہائی مخبوط الحواس اور اباحیت زدہ شخص تو اس فیصلے سے اختلاف یا انحراف کرے گا ورنہ قادیانی مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اصل حقیقت کیا تھی؟ ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے ہوا کہ بات صحیح فورم پر پہنچی اور صحیح طریق سے اس پر بحث ہوئی۔ جس چیز کا جو مقام ہے اسے وہیں پر رکھا جائے تو وہ مؤثر ہوتی ہے۔ آئے روز اخبارات میں علماء کرام کے فتوے درج ہوتے ہیں' جو بہرحال اچھا تاثر نہیں چھوڑتے۔ ہم یہ جسارت تو نہیں کریں گے کہ علماء کے ایک دوسرے کے بارے میں فتووں کا ریکارڈ پیش کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی دوسرے مکتب فکر کا کوئی عالم بچا ہو جو کسی نہ کسی فتوے کی زد میں نہ آیا ہو۔ بریلوی حضرات کے دیو بندیوں کے خلاف' دیو بندیوں کے بریلویوں کے خلاف' مقلدین کے غیر مقلدین کے خلاف اور اہلحدیثوں کے حنفیوں کے خلاف' اور اسی طرح شیعہ حضرات کے سینوں کے بارے میں سخت فتوے اور حضرات اہل سنت کے اہل تشیع کے خلاف سنگین فتوے' یہ سب کچھ کتابوں میں موجود ہے' اس سے ایک خاص فضا بنی ہے جس نے علماء کرام کے بارے میں دھند کو بڑھاوا دیا ہے اور پورا ماحول مکدر ہوا ہے۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ علماء کے فقر و فاقہ' ان کی استقامت دینی' باطل کے مقابلے میں مزاحمتی رویے اور ایسے ہی دیگر اوصاف کا تو دبے لہجے میں ذکر کریں گے ایسی ویسی بات ہاتھ آ جائے تو اسے کوٹھوں پر چڑھا دیں گے لیکن علماء کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی ویسی بات نہ کریں کہ قائدانہ منصب پر فائز لوگوں کا لب و لہجہ تک نوٹ کیا جاتا ہے اور کیا جانا چاہئے کیونکہ رہنماؤں ہی نے لوگوں کو طرز گفتار اور انداز و اطوار سکھانا ہوتے ہیں۔

طلوع اسلام۔

بقول فیض احمد فیض۔۔

ہم نے جو طرز فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیض گلشن میں وہی طرز بیاں ٹھہری ہے

کوئی بھی راسخ العقیدہ انسان خلوص نیت سے غور کریگا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام کو اتنا نقصان اس کے دشمنوں نے نہیں پہنچایا جتنا اس کے دوستوں نے پہنچایا ہے۔

● ● ●

وابستگان فکر قرآنی کیلئے نوید جاں فزا

اراکین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی یہ روح افزاء خبر بامسرت اپنے بھائیوں تک پہنچانا چاہتے ہیں کہ اس ہائی سکول کا باقاعدہ نقشہ بفضل تعالیٰ منظور ہو گیا ہے اور اب انشاء اللہ فوری طور پر اسکی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ جس کیلئے احباب سے دل کھول کر تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعتہ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:
ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

باب المراسلات

چند خطوط ملاحظہ فرمائیے :-

میں ایک 11 سالہ لڑکی ہوں اور سویڈن میں رہتی ہوں۔ میں چار بار پاکستان گئی ہوں۔ مجھے وہاں پر بہت لطف آتا ہے۔ لیکن جب میں اس بار پاکستان گئی تو میں نے دیکھا کہ پاکستان کے لوگ اسلام کو بھول رہے ہیں' کیوں کہ جب بھی کوئی لنگڑا یا اندھا یا کوئی غریب انسان مدد کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو یہ لوگ اس سے بدتمیزی سے بات کرتے ہیں یا اسے ڈانٹ دیتے ہیں۔ مجھے بہت برا لگا۔ آخر اس میں ان بیچاروں کی کیا خطا ہے۔ وہ بھی تو یہ سب کچھ مجبوری کی وجہ سے کرتے ہیں۔ یہ لوگ جن کے پاس رہنے کے لئے مکان نہیں۔ اچھے اچھے کپڑے ہیں۔ آخر کیوں نہیں سوچتے کہ اگر یہ بھی ان کی طرح غریب ہوتے تو ان پر کیا گذرتی۔ کیا اسلام میں ناداروں کی مدد کا کوئی طریقہ نہیں؟ اگر ہے تو پاکستان کے لوگ اس طریقہ کو کیوں نہیں اپناتے۔ آپ کی معلومات کے لئے لکھتی ہوں کہ معذوروں کی مدد تو ایک طرف کچھ سال پہلے ایک اندھا شخص سویڈن کی حکومت میں وزیر تھا۔ کیا پاکستان اتنا نیچے جا چکا ہے؟ کیا پاکستان میں غریب کی کوئی عزت نہیں رہی؟ کیا میرے ملک کے لوگ اتنے خود غرض ہو گئے ہیں۔

مہک مفتی سویڈن

● ● ●

کوئین میری کالج کی طلبا اور سٹاف کی طرف سے

ایک خط بنام

مس صالحہ نغمی نمائندہ بزم خواتین لاہور

کوئین میری کالج کی فائن آرٹس کی طالبات اور سٹاف کی طرف سے میں آپ کے ادارے کے حسن انتظام' آپ کے حسن اخلاق اور حسن نظر کا دلی اعتراف کرتی ہوں جو 17 نومبر 1994ء کو ادارہ طلوع اسلام کے تحت ہونے والی تقریب انعامات میں ہم سب کو دیکھنے کو ملا۔ اس تقریب سے ہم نے

بہت کچھ سیکھا۔ انعام پانے والی طالبات کی جسقدر حوصلہ افزائی ہوئی اس کے لئے ہم آپ کے شکر گذار ہیں۔ ہمارے نزدیک اس یادگار تقریب کا نچوڑ ادارہ کے منتظمین کا خلوص نیت' طالبان علم کی حوصلہ افزائی اور آپ کی دلآویز شخصیت' سحر انگیز انداز تکلم اور کانوں میں رس گھولنے والی کمپیئرنگ تھی آپ کے لئے ہم سب کی جانب سے نیک خواہشات۔

شاہدہ رحمٰن۔ برائے طالبات و سٹاف

• • •

ایک سوال ٭۔

(کنونشن 96ء میں پوچھا گیا ایک سوال جس کا جواب ہم سب پر قرض ہے۔ مدیر)

سیاسی اعتبار سے پاکستان کی حالت یہ ہے کہ اقتدار کی رسہ کشی بہن کے دور حکومت میں بھائی کے قتل کا باعث بنتی ہے۔

اقتصادی اعتبار سے پاکستان کا ہر بچہ کئی پشتوں تک کیلئے اغیار کا مقروض ہے۔

معاشی طور پر اہل ثروت لوگ ذرائع رزق پر سانپ بن کے بیٹھے ہیں اور نچلا طبقہ محنت و مزدوری کی چکی میں پس کر بھی بھوکا ہے۔

ان مسائل میں سب سے بڑا سبب ملک میں ناخواندگی ہے۔ خواندگی اور علم میں فرق کرنا آسان سہی لیکن میرے لئے علم اور خواندگی کے فرق کو سمجھنا دشوار ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری لئے ہوئے افراد اگر **مسکن' اور مسکنکم**' کا فرق نہ سمجھ سکیں تو انہیں اہل علم سکالر (SCHOLAR) کہا جائے یا ناخواندہ۔ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے ممبران جب پاکستان' جس کی قومی زبان اردو ہے' کیلئے قانون سازی کرتے ہیں تو انگریزی میں کیونکہ وہ اردو نہیں سمجھ سکتے۔ بتائیے ! وہ اہل علم ٹھہرے یا ناخواندہ؟ عدالت عظمیٰ میں کرسی انصاف پر بیٹھے ہوئے چیف جسٹس خود ہی انصاف کریں کہ وہ اپنا ہر فیصلہ' اردو کی بجائے انگریزی میں لکھ کر اہل علم ہونے کا ثبوت دیتے ہیں یا ناخواندگی کا۔

پچھلے دنوں علامہ پرویز صاحبؒ کا پی ٹی وی کو دیا گیا انٹرویو سننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس میں نمائندے نے ایک سوال کیا تھا کہ آپ جس نظام کی بات کرتے ہیں یہ نظام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ دس برس کے عرصہ میں یہ نظام رائج ہو گیا۔ کیا وجہ ہے کہ آپ ایک لمبے عرصہ سے اس نظام کی تبلیغ کر رہے ہیں مگر یہ نظام ابھی تک رائج نہیں ہو سکا؟ انہوں نے بڑا برجستہ جواب دیا کہ نظام تو بے شک وہی ہے مگر اس کے اب تک رائج نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم تھے اور میرے ساتھی آپ جیسے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اب

تک ہم محترم پرویز صاحبؒ کے، **"آپ جیسے ہی ہیں"** یا ہم میں صدیق اکبرؓ جیسی صداقت، عمر فاروقؓ جیسی شجاعت، عثمان غنیؓ جیسی عنایت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسا حلم اور کرم پیدا ہو رہا ہے؟

محمد عارف شاہین۔ طالب علم علامہ اقبال ڈگری کالج کوٹلی آزاد کشمیر

• • •

محترم چیف ایڈیٹر صاحب ماہنامہ طلوع اسلام

تقریباً" نصف صدی قبل ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت میں ایک اہم سوال شائع ہوا تھا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ :-

" آج دنیا میں مسلمان جس جگہ بھی آباد ہیں، دوسری قوموں کے مقابلہ میں پستی اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے" ؟

اس سوال کے جواب میں، مختلف ارباب دانش و بینش کی طرف سے جوابات موصول ہوئے جو طلوع اسلام کی بعد کی اشاعتوں میں شائع ہوتے رہے۔ آخر میں، پرویز صاحبؒ نے، اس موضوع پر ایک بھرپور مقالہ لکھا جو جنوری و فروری 1950ء کے پرچوں میں پیش کیا گیا۔ یہ مقالہ اس قدر مقبول ہوا کہ 1952ء میں اسے دوبارہ شائع کرنا پڑا۔ اس کے بعد مارچ 52ء میں اسے الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اب تک اس کتاب کی ہزاروں کاپیاں شائع ہو چکی ہیں۔ 1993ء میں طلوع اسلام ٹرسٹ نے اس کی دس ہزار کاپیاں چھپوا کر ارباب حکومت اور صاحبان دانش و بینش کو بھجوائیں۔ 1995ء میں مختلف قومی اخبارات و رسائل میں اشتہارات شائع کروا کے متلاشیان حق کو یہ کتاب بلا قیمت بھجوانے کا اعلان کیا گیا۔ جس کا خاطر خواہ رسپانس ملا جسے مد نظر رکھتے ہوئے یہ سلسلہ 1996ء میں بھی جاری رکھا گیا اس کتاب نے جہاں ہماری فکری دنیا میں ارتعاش پیدا کیا وہاں بے شمار مذہب گزیدہ نوجوانوں کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا ہے۔

مفکر قرآن کے ابتدائی دور کی یہ کتاب ضخامت میں سب سے چھوٹی ہونے کے باوجود اتنی جامع ہے کہ مرض کی تشخیص سے لے کر علاج تک کے تمام بنیادی مباحث اس میں آ گئے ہیں۔

پرویز صاحبؒ مرحوم نے اپنی نگارشات کے متعلق اکثر کتب میں لکھا ہے کہ میری ان کوششوں سے اگر چند نفوس بھی ایسے پیدا ہو گئے جن کے دل میں قرآن کی راہنمائی کا یقین علیٰ وجہ البصیرت ابھر آیا تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری دیدہ ریزیوں اور جگر سوزیوں کا صلہ مل گیا۔

طلوع اسلام کے دفتر آنے والے بیسیوں خطوط میں سے ایک خط بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

Dear Sir,

Since my childhood I have been close to mosque and madrassa. However I took Quran as a mean of getting `Sawab' by recitation. Frankly speaking I found this Book very boring, monotonous and out of tone with the realities of life. Quran never appealed me.

Say it my good luck that I saw an advertisement by you in a newspaper regarding ASBABA-E-ZAWAL-E-UMMAT For getting a free copy I responded and got a copy some six months back. This small book of 150 pages has totally changed my thinking about Quran. Although I have not yet studied Quran yet I think this is a very inspiring and revolutionary book embracing all aspects of life. Now I have decided to study Quran deeply.

Subrequest to this book I have read `Islam: A challenge to religion, and many other book in urdu.
After reading these books I find myself a totally changed person. The credit of Mr. Perwaiz that I am hooked to Quran . ***MUHAMMAD ASHRAF- SARGHODA***

آخر میں ہم اپنے قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ مقامی طور پر اخبارات و رسائل میں اشتہار دیں تاکہ یہ فکر عام ہو جائے تو پھر قوم اگلا قدم اٹھانے کے قابل ہو سکے جس سے یہ اپنی موجودہ حالت سے نکل کر' نہ صرف زندہ قوموں کی صف میں کھڑی ہونے' بلکہ ان کی قیادت کے قابل ہو سکے۔

●●●

نمونہ اشتہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر محمد اسلم نوید بوریوالہ

احتساب خویش

قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ جب کوئی اس کی طرف حصول راہنمائی کا سچا جذبہ لے کر آتا ہے تو اس کے لئے روشنیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ 29/69 جو لوگ اس مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں جو ہم نے ان کے لئے متعین کیا ہے' ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں جو ہر طرف سے آکر صراط مستقیم میں مل جاتی ہیں اور اس طرح انسانی سعی و کاوش کا رخ ہمارے متعین کردہ پروگرام کی طرف پھر جاتا ہے۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہو جاتی ہے۔ شعور و آگہی کا ایک سے بڑھ کر ایک انداز' دامن وا کیے کھڑا پکار رہا ہوتا ہے کہ "**فھل من مذکر**" کوئی ہے جو سوچے سمجھے۔ پھر یہ تشنگی نہیں رہتی کہ کیا کرنا ہے۔ کب' کیسے اور کیوں کرنا ہے مگر شرط وہی کہ حصول راہنمائی کا جذبہ صادق ہو اور ذہن میں یہ بات جاگزیں رہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ آج جو کچھ یہ کتاب عظیم (قرآن کریم) بتائے گی میں وہی کروں گا اور جس سے یہ منع کرے گی اس سے رک جاؤں گا یہ کر لیا جائے تو کسی آنے والے کا انتظار بے معنی ہو جاتا ہے۔ آج کوئی حضرت عیسیٰؑ کا منتظر ہے تو کوئی مہدیؑ موعود کا اور کس کو کسی مردِ آہن کا انتظار ہے۔ قوموں کی تاریخ میں مردِ آہن یقیناً" پیدا ہوتے ہیں' جو قوم کے لئے منزل کا رخ متعین کرتے ہیں لیکن وہ مردِ آہن اسی قوم سے پیدا ہوتا ہے' جسے اس کا انتظار ہوتا ہے۔ انتظار کرنے والے شوق سے لذت انتظار کا لطف اٹھائیں' لیکن ان کے پاس انتظار کا کیا جواز ہے جن کے سامنے اللہ کا یہ فرمان آ چکا ہے۔ فرمان خداوندی ہے

اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون..... 21/1-2 یہ لوگ جو کچھ کھوتے رہے ہیں' اس کے نتائج سامنے آنے کا وقت سر پر آ پہنچا ہے لیکن یہ ابھی تک خواب غفلت میں مدہوش' صحیح روش زندگی سے منہ موڑے غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کی طرف ان کے نشو و نما دینے والے کی طرف سے قوانین و ضوابط آئے تو انہوں نے ان پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا۔ انہیں محض تفریحاً" سنتے رہے۔

ان کے بر عکس تم میرے بندوں سے' جو میرے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں کہدو (وہ اس سے نہ گھبرائیں کہ باطل کا نظام ہر طرف مسلط ہے۔ اس سے کس طرح نکلا جائے ؟) وہ نظام الصلوۃ قائم کرتے جائیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے' وہ ان کی مضمر صلاحیتیں ہوں یا محسوس سامان زیست' اسے حسب

موقع و ضرورت علانیہ اور پوشیدہ' اس بلند مقصد کے لیے صرف کرتے چلے جائیں۔ ابھی تو اس کا موقعہ ہے اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مشکل ہو جائے گی اس لیے کہ یہ جنس وہ نہیں جسے جب جی چاہا بازار سے خرید لیا یا کسی دوست سے مانگ لی۔(اسے تو خون جگر سے حاصل کیا جاتا ہے 2/254) اس حکم کے بعد انسان سے کہا کہ لے اپنا عمال نامہ خود پڑھ لے تیرا حساب کرنے کے لئے کوئی محتسب باہر سے بلانے کی ضرورت نہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم سے کہا جائے کہ اپنا حساب خود کر لو، آیئے آج ہی سے خود حساب کرنے کی عادت ڈالتے ہیں تاکہ اس وقت آسانی ہو۔ اس کے لئے ایک چارٹ ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان لمحہ بہ لمحہ یا تو تباہ ہوتا ہے یا نشو و نما پاتا ہے۔ ہم کس حال میں ہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں منسلکہ چارٹ کی یا تو ایک ہفتہ کے لئے سات فوٹو کاپیاں کروالیں یا ایک فوٹو کاپی کروا کر جیب میں رکھ لیں۔ جب کسی آیت کی خلاف ورزی ہو پرچہ جیب سے نکالیں اور مذکورہ آیت کے سامنے خانے میں اس دن کے نیچے x کا نشان لگالیں۔ رات سونے سے پہلے حساب لگا لیں۔ جن آیات پر عمل ہوا ہے ان کے سامنے صحیح کا نشان لگائیں جن آیات سے واسطہ نہیں پڑا انہیں خالی رہنے دیں۔ پھر نیچے غلطیوں کا ٹوٹل لکھ لیں۔ اس طرح ایک ہفتہ کی رپورٹ سے اندازہ ہو جائیگا کہ ہم لمحہ بہ لمحہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں یا نشو و نما پا رہے ہیں۔ چارٹ اگر کچی پنسل سے پر کریں تو ہفتہ بعد مٹا کر دوبارہ استعمال کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنا محاسبہ بھی کرتے رہیں گے اور ہمیں یہ اندازہ بھی ہو جائیگا کہ اجتماعی نظام قائم کرنے کے لئے اس کی پہلی شرط (مکی دور تربیت) انفرادی کردار کے مراحل سے کسی قدر کامیابی سے گزر رہے ہیں۔ کیونکہ انفرادی کردار کے بغیر اجتماعی نظام کا دعویٰ خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے بغیر ذہنی ہم آہنگی سے قلبی ہم آہنگی تک کا سفر بھی ناممکن ہے۔ چارٹ میں مذکورہ آیات مبارکہ پڑھ کر اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ابھی نظام کے قیام کی راہ میں معاشرتی رکاوٹیں ہیں کہاں تک سچ ہے۔ ان آیات پر عمل پیرا ہونے سے کون روکتا ہے؟ کیا یہ ہماری خود ساختہ مجبوریاں تو نہیں؟۔ مانا کہ اجتماعی نظام کے لئے احکام پر عمل ابھی مشکل ہے لیکن انفرادی عمل کے لیے تو راستے کھلے ہیں۔ آیئے! ان خود ساختہ مجبوریوں سے نکل کر ذہن سے قلب تک کے عملی سفر کا آغاز کریں۔ ہمارے قلب جڑتے جائیں گے اور راستے کھلتے جائیں گے کہ **الف بین قلوبکم** کا یہی فطری نتیجہ ہوتا ہے۔

آخر میں علامہ غلام احمد پرویزؒ کا پیغام بھی سن لیجئے۔

یاد رکھیے عزیزان من !۔ آپ کی تحریک محض ایک تنظیم کا نام نہیں۔ یہ دل و نگاہ کی تبدیلی کی تحریک ہے۔ یہ قرآنی تصورات کو صرف ذہنی طور پر سمجھ لینے کی تحریک نہیں۔ یہ ان تصورات کے مطابق اپنے اندر انقلاب پیدا کرنے کی تحریک ہے۔ اگر آپ کے اندر اس قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوتا تو پھر آپ کی اس تحریک سے وابستگی نہ صرف بے مقصد ہے بلکہ خود فریبی کا موجب بھی۔ (نوائے صبحگاہی کنونشن 1966ء)

● ● ●

احتسابِ خویش ہفتہ وار پروگرام نمبر1

یہ چارٹ صلوٰۃ الفجر کے بعد روزانہ پڑھیں تاکہ قرآنی آیات پیش نظر رہیں

اور بعد میں نماز عشاء کے بعد چارٹ مکمل کر کے سوئیں

قرآنی آیات	عمل	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات
۱۔ ۱۷/۷۰	کسی انسان کو کم تر تو نہیں سمجھا۔؟							
۲۔ ۲۴/۲۳	کسی انسان پر الزام تراشی تو نہیں کی۔؟							
۳۔ ۲۴/۳۰	نگاہیں بے باک تو نہیں ہوئیں۔؟							
۴۔ ۲۳/۳	کوئی بیہودہ اور لغو بات تو نہیں کی۔؟							
۵۔ ۴۹/۱۲	غیبت کے مرتکب تو نہیں ہوئے۔؟							
۶۔ ۵۷/۲۳	شیخی تو نہیں بگھاری۔؟							
۷۔ ۱۶/۱۰۵	جھوٹ سے اجتناب کیا۔؟							
۸۔ ۴/۵۴	دل میں حسد تو نہیں پل رہا۔؟							
۹۔ ۶/۵۴	اپنی غلطی کا اعتراف کیا؟							
۱۰۔ ۲۵/۶۷	خرچ میں میانہ روی ملحوظ رہی۔؟							
۱۱۔ ۸۹/۱۷	کسی کے کام آئے۔؟							
۱۲۔ ۱۷/۳۴	وعدہ پورا کیا۔؟							
۱۳۔ ۴۹/۶	سنی سنائی بات آگے تو نہیں بڑھائی۔؟							
۱۴۔ ۶/۱۵۲	والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔؟							
	میزان							

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہاجرہ نصیر احمد

قائداعظم کی حاضر جوابی

قائداعظم محمد علی جناحؒ دنیا کی وہ غیر معمولی اور عظیم المرتبت ہستی ہیں جن کے بلند اخلاق، راستیٔ کردار، عظیم عزم و استقلال، تدبر و فراست، ذہانت، دیانتداری و جرأت کا اعتراف نہ صرف اپنوں نے بلکہ دشمنوں نے بھی بجا طور پر کیا۔ خود سکھوں کے مشہور قومی ہیرو نے کہا ہے کہ "گو کہ سکھ دھرم میں کسی کی پوجا نہیں کی جاتی ہے لیکن اگر قائداعظمؒ ہم میں پیدا ہوتے تو ان کی پوجا کی جاتی۔" یقیناً" وہ میر کاروان حریت ایک ایسے مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں ہر شخص اس کی عظمت تسلیم کرنے اور ان کا عزّو وقار بجا لانے پر مجبور تھا۔ قائداعظمؒ کو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں دوسری بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا وہاں حضرت قائد کی حاضر جوابی کی بہترین خوبی کے واقعات بھی شہرت عام اور بقائے دوام کا درجہ رکھتے ہیں۔ جن میں سے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

1937ء کی بات ہے جب مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی قوت اور مطالبہ پاکستان کی شدت نے ہندوؤں کو خاصا ہراساں کر رکھا تھا۔ آخر کار ایک کانفرنس منعقد ہوئی تاکہ معاملات کو بات چیت کے ذریعے نمٹایا دیا جائے۔ اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ہندوؤں کے مشہور لیڈر موہن داس کرم چند گاندھی نے کہا کہ "مسلمانوں نے خواہ مخواہ پاکستان کی رٹ لگا رکھی ہے، پاکستان بننا تو بڑی دور کی بات ہے، ہندوستان میں کوئی شخص خود کو مسلمان بھی نہ سمجھے۔ جو خود کو مسلمان سمجھتا ہے وہ عرب چلا جائے کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔" گاندھی کی یہ بات سن کر قائداعظمؒ نے فوراً" جواب دیا "مسٹر گاندھی کان کھول کر سن لو! پاکستان اسی وقت معرض وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان کا پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا اور اب تو ہم بارہ کروڑ کی تعداد میں ہیں لہٰذا دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کے بننے میں مانع نہیں ہوسکتی۔ پاکستان بنے گا اور ضرور بنے گا۔" اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ناممکنات حالات میں بھی اپنے آپ پر کس قدر اعتماد تھا۔

شروع شروع میں قائداعظمؒ کانگریس کے رکن و حامی تھے مگر اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے حقوق کی بے پناہ ترجمانی کرتے۔ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر ہی انہوں نے وہ چودہ نکات پیش کئے جو کانگریس نے نامنظور کر دیئے۔ کانگریس کے اس ردِعمل سے حضرت قائداعظمؒ نے فوراً" جان لیا کہ اس جماعت کی حقیقی پالیسی تعصب اور مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ ہے، لہٰذا وہ کانگریس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ کی تعمیر و تشکیل میں ہمہ تن گوش ہو گئے اور پھر کانگریس کی ڈھکی چھپی پالیسی کو خوب بے نقاب کیا اور سیاسی گٹھ جوڑوں کو منظر عام پر لائے۔ ایک دفعہ کانگریس کے لیڈروں نے قائداعظمؒ سے کہا آپ بھی تو کبھی کانگریس کے ساتھ رہ چکے ہیں؟ قائداعظمؒ نے بڑی برجستگی سے جواب دیا "ہاں اس وقت میں سیاست کے پرائمری سکول میں تھا، اب میں سیاست کے ہائی سکول میں داخل ہو چکا ہوں۔"

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ جب قائداعظمؒ اور ان کے کچھ ساتھیوں نے قیامِ پاکستان کا مطالبہ کیا تو کچھ ہندوؤں، سکھوں اور باقی تمام غیر مسلموں کے علاوہ کچھ مسلمان علماء کرام اور زعما کرام اس مطالبے کی مخالفت میں ہو گئے اور متحدہ ہندوستان کے حق میں کانگریس کے ساتھ تھے۔ یقیناً" یہ امر ہندوؤں کیلئے تو بڑا خوش آئند

تھا لیکن محمد علی جناحؒ کیلئے انتہائی آسان کام تھا۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ ہندو لیڈروں نے کہا کہ کئی مسلمان سیاسی جماعتیں ایسی ہیں جو پاکستان کی مخالفت کرتی ہیں اور اس سلسلہ میں کانگریس کا ساتھ دیتی ہیں' آپ کا کیا خیال ہے؟ یقیناً" قائداعظمؒ کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو لاجواب ہو کر رہ جاتا مگر قائداعظمؒ نے بڑی برجستگی سے جواب دیا "اپنوں کی بندوق سے اگر غیروں کی گولی برآمد ہو تو پھر غیروں کو بندوق اُٹھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

ایک دفعہ شملہ کانفرنس میں بڑی گرما گرم بحث ہو رہی تھی' کانگریس کے لیڈر مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم ماننے پر تیار نہیں تھے تاکہ پاکستان نہ بن سکے۔ انگریز حکمران بڑے غور سے دلائل سن رہے تھے۔ مسٹر گاندھی نے کہا "ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔" یہ سنتے ہی قائدِاعظمؒ نے فوراً" تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ دونوں قوموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گاندھی سے پوچھو ان کا ہیرو ہمارا دشمن اور ہمارا ہیرو ان کا دشمن اور زندگی کی تمام اقدار ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ گائے ان کا اوتار ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں جبکہ مسلمان ان کے اوتار کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں' یہ معمولی فرق ہے؟" ...... حضرت قائداعظمؒ کے اس بے مثال جواب پر ایک سناٹا چھا گیا۔ گاندھی جیسا ذہین و فطین لیڈر بھی سر جھکائے خاموشی سے بیٹھا رہا۔ دراصل محمد علی جناحؒ صرف حاضر جواب ہی نہیں تھے بلکہ ان کے دلائل ناقابلِ تسخیر ہوتے۔ آپ قیام پاکستان کے سلسلہ میں تقریر کر رہے تھے' آپ کی تقریر کے دلائل کا جواب نہ تھا جب کانگریس کو کچھ جواب نہ بن پڑا تو ماسٹر تارا سنگھ نے کہا۔

Do Not beat about the bush, come to the Point.

قائداعظمؒ نے فوراً" کہا۔

I have no bush on my face- see Yours.

حضرت قائدِاعظمؒ کی اس خوبصورت تنقید نے ہندوؤں اور سکھوں کو چونکا کے رکھ دیا، جبکہ مسلم لیگ کے ارکان کی طرف سے تالیوں کی گونج سنائی دیتی رہی۔

جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دہلی سے قائداعظمؒ کے ہمراہ پاکستان کے گورنر جنرل کے اختیارات حضرت قائداعظمؒ کو تفویض کرنے کراچی آنا تھا تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ہو سکتا ہے سکھ آپ کے خلاف کوئی کارروائی کریں' قائداعظمؒ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن مصنوعی طور پر سہما سہما سا رہا۔ جب بخیر و عافیت کراچی کے قصر صدارت میں پہنچے تو قائداعظمؒ نے کہا "ماؤنٹ بیٹن میں نے آپ کو بچا لیا ہے۔" .... اس عظیم اور بے باک شخصیت کے یہ چند متذکرہ واقعات لکھنے کے بعد بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے۔

اے قائداعظمؒ تیری عظمت کو سلام
آ کر اک بار ہمیں پھر سے ضرورت ہے تیری

بشکریہ روزنامہ صحافت

●●●

چئیرمین ادارہ طلوع اسلام۔ انگلستان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم کا دستور العمل

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔ اگر اسلام یعنی اطاعت قوانینِ الٰہیہ کے سوا کوئی اور طریق اختیار کر لیا، تو مقبول تو ہونے سے رہا۔ انجام کار (آخرت) نقصان با الضرور ہو گا۔ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت اس دنیا میں خلافت فی الارض تھی۔ یہ دنیا میں اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جو کچھ زمین کی پستیوں اور آسمان کی بلندیوں کے اندر موجود ہے وہ انسان ہی کی خدمت گذاری کے لئے ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وہ اس کے لیے تسخیر کر دئے گئے تھے۔ تاکہ انسان ان سے کام لے اور اس دنیا پر اللہ کی حکومت کا تختِ اجلال بچھائے۔ اسے چند ایک اصول سکھائے تھے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اس تختِ خلافت پر متمکن ہو سکتا ہے۔ اور اللہ کے انعامات اور افضال کا وارث بن سکتا ہے۔ غلبہ اور تمکنت سے رہ سکتا ہے اور بالآخر ہمیشہ کی زندگی بسر کرنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ وہ اصول جو اس زندگی کے واسطے .... قرآنِ کریم کے ضابطۂ ابدی میں متعین کئے گئے ہیں۔ نہایت سیدھے اور سادے ہیں، یعنی چند اصول بطور ایمان اوراس کے ساتھ اظہارِ عبودیت کے لئے کچھ اعمال بطور اساس۔

ایمان با اللہ۔ مسلم کا ایمان خدا کی ہستی پر اس قدر محکم اور مضبوط ہو کہ وہ خدا کے ماسوا کسی بڑی سے بڑی ہستی کو اپنا معبود نہ مانے۔ عیش اور آرام میں، دکھ اور تکلیف میں، تخت سلطنت پر، سولی کے تختہ پر، اللہ کا دھیان اس کے سامنے رہے۔ کسی غیر اللہ کا ڈر، باطل کا خوف اس کے پاس تک نہ پھٹکے۔

تا عصائے لاالٰہ داری بدست ۔ ہر طلسم خوف راخواہی شکست
ہر کہ حق باشد چوجان اندر تنش ۔ خم نہ گردد پیش باطل گردنش

ایمان با الکتب۔ تمام مذاہب کسی نہ کسی مقدس کتاب کو اپنے لئے ہدایت کا باعث سمجھتے ہیں۔ ایک مسلمان قرآنِ مجید کو خدا کا آخری اور مکمل کلام مانتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر تمام پہلی آسمانی کتابوں کی سچائیاں موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسا مکمل ضابطہ (CODE) ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ۔ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہدایت کی ہر چیز کا کھلا بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت اور خوشخبری ہے۔ (النحل ۱۷)

یہ کتاب صالح العمل مسلمانوں کو جو قوانینِ الٰہیہ کی اطاعت کرتے ہیں، دنیا اور آخرت کے انعامات کی بشارت دیتی ہے۔ اور جو لوگ قوانینِ فطرت کو توڑ کر اپنے من گھڑت عقیدے بنا کر نظامِ کائنات میں فساد ڈالتے ہیں۔ ان کے لیے اس دنیا میں ذلت و رسوائی کا درد ناک عذاب اور آخرت کے وعید بیان کرتی ہے۔یہ کتاب گذشتہ امتوں کے کارنامے پیش کرتی ہے، کہ کس طرح وہ لوگ جنہوں نے قوانین الٰہیہ کو توڑا، ضال اور مغضوب علیہ بنے اور جنہوں نے ان کی تابعداری اختیار کی وہ کامیاب اور بامُراد ہوئے

زِقرآں پیشِ خود آئینہ آویز دگرگوں گشتۂ ازخویش بگریز
تُرازئے بنہ کردار خودرا قیامت ہائے پیشیں رابرانگیز

ایمان با الرسل۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ترجمہ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تجھے تمام دنیا کے واسطے رحمت کا سرچشمہ بنا کر بھیجا ہے۔نبی کی بعثت کی غرض و غایت ایک کمزور اور نحیف قوم کو اللہ تعالیٰ کی آیات سنا کر ان کا تزکیۂ نفس کرنا، انہیں دینِ فطرت کا علم سکھانا اور انہیں خلافت اِلٰہیہ کے منصب جلیلہ پر پہنچانا ہوتا ہے۔جس قوم کے پاس نورِ ایمان۔ علم اور حکمت ہے، وہ قوم دنیا میں سب سے غالب، متمکن فی الارض، منعم علیہ قوم ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور جب تک وہ نمونہ ہمارے لے لائحہ عمل نہ بنے، ہماری زندگی کامیاب زندگی نہیں بن سکتی۔ یعنی وہ ذاتِ اقدس واعظم جس کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا زندہ رہنا اور مرنا سب خدا کے واسطے وقف ہو چکا تھا۔ جس ذاتِ گرامی مرتبتؐ نے خلاف ما سوا اللہ کو دلوں سے نکالا، کبر ابلیس کے بخئے ادھیڑے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنوں اور بیگانوں کو دشمن بنا کر اپنی جان مشکلات اور تکالیف میں ڈال کر استقامت دکھائی، جو اخلاص و عمل اور خلق کے مجسمہ تھے، جنہوں نے خدا کی رحمت کے خزانے، بے نوا اور فاقہ کش لوگوں کو دے کر انہیں خیر الامت کے لقب کے اہل بنایا اور دنیا کی جہاں بانی اور جہاں رائی ان کے سپرد کی، ان سے بڑھ کر انسان کی رہنمائی کے لئے اور کون سا نمونہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے ایمان اور اخلاص و سعی و عمل کا یہ صلہ دیا کہ انہیں دشمنوں پر فتح مبین عطا کی۔جس قدر انعامات اور افضال حضورؐ کے شایانِ شان تھے تمام عطا کر دئے۔ اور زبردست سے زبردست مدد دے کر حضورؐ کا نام فرشِ زمین سے لے کر عرشِ معلی تک روشن کر دیا ہے۔

ہر کہ عشق مصطفےٰ سامان اوست بحر و بر در گوشہ دامانِ اوست

ایمان با الملائکۃ ملائکۃ چونکہ حاملینِ وحی ہیں، پیغامِ خداوندی کو انسانوں تک پہنچانے کے

لئے ایک واسطہ ہیں‘ اس لئے ان پر ایمان درحقیقت وحیٔ الٰہی پر ایمان کے مرادف ہے۔
ایمان بالاخر۔ سے مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس اصول کو پیش نظر رکھے کہ اس کی ہر حرکت کو‘ خواہ اعضاء کی ہو یا جوارح کی‘ ایک فطری نتیجہ لازمی ہے۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض و فلاح و فوزنی لآخرت ہے۔ کفر وضلالت کا نتیجہ دنیا کی ذلت و مسکنت اور آخرت کی رسوائیاں ہیں۔ یہ قرآن کریم کا وہ اٹل قانون ہے جس میں کسی قوم‘ کسی قبیلہ‘ کسی خاندان‘ کسی نام کی وجہ سے رعایت نہیں برتی جا سکتی۔

ایمان کی مجمل تصریحات کے بعد اب ان اساسی اعمال کی طرف آئیے جنہیں عبادات و مناسک کہا جاتا ہے۔

الصلوٰۃ۔ یہ ہماری سلامتی کی دعا ہے۔ اور ہمارے لئے ایک دارالامن ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان براہِ راست تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہمارے اتحاد کا سرچشمہ ہے۔ توحید کا اعلان ہے خدا کی فرمانبرداری کا اقرار ہے۔ پنج وقتہ خدا کے دربار میں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے اقرار کو تازہ کرنا ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعا‘ نعمت کے ملنے کی گذارش ہے۔ مغضوب علیہ اور ضال نہ بننے کا ڈر اور خوف ہے۔ یاد رہے صراطِ مستقیم بڑا کٹھن اور مشکل راستہ ہے۔ ہر ہر قدم پر پھسلنے کا ڈر ہے کیونکہ طاغوتی قوتیں اس راستہ پر تاک لگائے بیٹھی ہیں۔ اس راستہ کو طے کرنے کے لئے خشیتِ الٰہی اور تقوائی کا زادِ راہ ضروری ہے۔ جس نے اِن کا دامن مضبوطی سے تھام لیا‘ وہ خدا کے انعامات کے وارث بن گئے۔ انہیں کے لیے رزق کریم ہے۔ انہیں کے لئے تمکن فی الارض ہے۔ وہی غالب ہیں۔ نماز کی رکوع اور سجود اور قائمے گو ظاہرا" جسم کی حرکات ہیں‘ مگر اس کے اندر روح کا رقص مضمر ہے کہ جس سے زمین و آسمان وجد میں آ جاتے ہیں۔ اسلام کے گلشن کی رونق یہی ہے کہ دل میں سوز ہو‘ اور آنکھوں سے آنسو برستے رہیں کیونکہ دل کے سمندر میں جب خدا کی محبت اور

اس کے عشق کی بجلیاں چمکتی ہیں تو

وہاں سے بخارات اٹھ کر دماغ سے ٹکراتے ہیں اور آنکھوں سے دل کا خون پانی بن کر برستا ہے۔ روح وجد میں آ کر آستانۂ الٰہی کے سامنے رقص کرتی ہے۔ یہی نماز کا نصب العین ہے کہ مسلمان فحشات اور منکرات سے بچ کر خدا کی محبت میں محو ہو جائے۔ یہی روح کا معراج ہے۔

نخواہم ایں جہاں و آں جہان را مرا ایں بس کہ دانم رمزجان را
سجودے وہ کہ ازسوز و سرورش بوجد آرم زمین و آسمان را

روزہ۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ فرضیتِ روزہ سے منشائے الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں خدا کے احکامات پر چلنے کی اس قدر جرأت و ہمت اور دلیری پیدا ہو جائے کہ وہ سال میں متواتر ایک ماہ بھوک پیاس برداشت کر سکیں۔ اور خدا کے پورے پورے فرمانبردار بندے بن جائیں کیونکہ ایسی قوم جو متقی اور خدا کی شکر گذار ہے‘ خدا کے احکامات کے ماتحت رہ کر بھوک پیاس برداشت کر کے اس کی راہ میں ہر لحظہ لبیک کہنے کے لئے

تیار ہے خدا کے سپاہیوں کی یہی نشانی ہے۔ اس کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو اس سختی کا عادی ہونا ضروری ہے۔ یہی قوم خیرو برکت کی وارث ہے۔ اسی کے حصہ میں رشد ہے۔ ایسی قوم جس وقت بھی خدا کی جناب میں دست بدعا ہو کر اس کی نصرت کی طلبگار ہوتی ہے، وہ نامراد نہیں پھر سکتی۔ (اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) روزہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جب ہم اللہ کے حکم سے رزقِ حلال و طیب چھوڑ سکتے ہیں تو جو چیزیں اس نے حرام قرار دی ہیں ہم ان کے قریب کیسے چلے جائیں گے۔

سِرِّ دینِ صدق مقال اکل حلال — خلوت و جلوت تماشائے جمال
نور دَر صوم و صلوٰۃِ اُو نماند — جلوہ در کائنات۔ اُو نماند
آنکہ بود اللہ اورا سازوبرگ — فتنۂ اُو حب مال ترس مرگ

حج۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آلعمران ۹۵) لوگوں کی عبادت کے لئے جو پہلا گھر ٹھہرایا گیا وہ یہی ہے جو شہر مکہ میں واقع ہے۔ برکت والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے موجب ہدایت۔ اس میں فضیلت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس گھر میں آ داخل ہوا۔ امن میں آ گیا اور لوگوں پر فرض ہے کہ خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں جس کو اس گھر تک پہنچنے کا مقدور ہے۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسلمانانِ عالم میں سے جو صاحبِ مقدور ہوں، وہ حج کے واسطے حاضر ہوں، تا کہ بیت اللہ کی تعظیم ہو۔ کیونکہ یہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے۔ مسلمانانِ عالم کے جمع ہونے اور ان کی شرکت کے ظاہر ہونے اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے اور دین کی عزت کا دن ہونے کا نام حج ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع امن کی جگہ ٹھہرایا۔

کیا ہی وہ شان و شوکت کا محشر مثال منظر ہے کہ جب لاکھوں کی تعداد میں عاشقانِ خدا اور رسولؐ سفر کی تکلیفیں اٹھا کر، اپنے سر منڈوا کر، کفن پہن کر، یعنی دو بِن سِلی چادروں میں اپنا جسم لپیٹ کر میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں، اور خوشنودیٔ خدا کے لئے اپنی انتہائی محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی محبت کے سامنے نہ وطن، نہ زر، نہ مال، نہ گھر، نہ بیوی، نہ بچے، نہ تکلیف، نہ مصیبت کی پروا کرتے ہیں، بلکہ ان کا نصب العین اللہ کی تابعداری کا اقرار ہے کہ جس کا وہ ہر نماز میں اقرار کرتے رہتے اور وہ خانۂ خدا میں یہی عہد کرتے ہیں کہ خدا کے احکامات کے فرمانبردار بندے ہیں۔ حج کو جانے سے پیشتر زادِ راہ بہم پہنچانا ضروری ہے۔ لیکن بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ یعنی سب سے بڑی پرہیز گاری خوفِ خدا ہے۔ اللہ کی یاد کی ٹیس جو مومن کے دل کے اندر ہر وقت لگی رہے۔

رمز حیات جوئی جز در تپش نہ یابی — در قلزم آرمیدن ننگ است آب جو را
نہ شود نصیب جانت کہ دمے قرار گیرد — تب و تاب زندگانی بتو آشکارا بادا

ہر وقت اللہ سے گناہوں کی معافی میں لگے رہنا اور اس سے دنیا اور آخرت میں خیر و برکت مانگنا، مومن

نہ تو ہماری قربانیوں کے گوشت اور نہ ان کے خون، خدا تک پہنچے ہیں بلکہ اس تک ہمارا نصب العین ہے۔ نہ تو ہماری قربانیوں کے گوشت اور نہ ان کے خون، خدا تک پہنچے ہیں بلکہ اس تک ہمارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اور کامیاب وہی قوم ہے جو بھلائی کے کام کرتی ہے اور اللہ کے دامن کو تنگی اور کشادگی میں گھل مل کر مضبوطی سے تھامے رکھتی ہے۔ کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر مولا ہے اور سب سے اچھا مددگار ہے۔

بنورِ تو بر افروزم نگہ را
کہ بینم اندرونِ مہر و ماہ را
چوی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

زکوٰۃ۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (اور وہ جو تم خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنے دیے کو خدا کے ہاں بڑھاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ سورہ تغابن میں فرماتا ہے کہ لوگو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک بکھیڑا ہے اور ان بکھیڑوں میں دین میں ثابت قدم رہنے والوں کے لئے بڑا بھلدی اجر ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور مانو اور اس کی راہ میں خرچ کرتے رہو کہ یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہے اور جو شخص اپنے جی کے بخل سے محفوظ رکھا گیا (اور خدا کی راہ میں خوشدلی سے خرچ کرتا رہا) یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ مسلمانو! اگر تم اللہ کو خوش دلی سے قرض دو تو آخرت میں وہ تم کو اس کا دگنا کر دے گا۔ اللہ بڑا قدر دان بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ زبردست اور حکمت والا ہے۔

سال کے اختتام پر ذی استطاعت لوگوں کا اپنے حلال مال میں سے ایک معیّن حصہ اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے وقف کر دینا، زکوٰۃ ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ اور خیرات کا ذکر بار بار آتا ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت اسلام کی تمکنت تھی اور مسلمانوں کے لیے وراثتِ زمین کے وعدے تھے، اسی لئے قرآن میں زکوٰۃ ۔ خیرات اور صدقات دینے کا پیہم ذکر ہے اور چونکہ یہ سلسلہ ملتِ اسلامیہ کی زندگی کیساتھ قائم رہنا ہے، اس لئے یہ حکم دائمی ہے۔ اسلام ہر نوعِ غلامی کے لئے پیغامِ موت ہے۔ اس کے نزدیک ملوکیت اور سرمایہ داری لعنت ہے۔ وہ دولت مندوں کو مال و دولت کا صرف امین قرار دیتا ہے اور ان کے مال و دولت کو بذریعہ خیرات اور زکوٰۃ ہر آلودگی سے پاک و صاف رکھتا ہے۔ خدا کی محبت کا بڑا معیار یہ ہے کہ انسان اپنی سب سے بڑھ کر محبوب چیز کو خدا کی راہ میں نثار کر دے۔ چونکہ انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے، اس لئے اس کے دعوائے ایمان کی صداقت کو آزمانے کے لئے حکم دیا کہ زکوٰۃ دو۔ خیرات کرو۔ صدقات دو۔ دل کا بخل نجاست کی مانند ہے۔ اور مال خرچ کئے بغیر وہ بخل کی نجاست سے پاک نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ نعمتِ مال کا شکریہ ہے۔ اور خدا کی راہ میں دنیا ہی نعمت کا شکریہ ہے۔ نعمت کی ناشکری کرنے والے ظالم ہیں۔ جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں صرف کرتے رہنا خیرو برکت کا باعث ہے۔ قانونِ قدرت کا دستور ہے کہ ہر پھلدار درخت کی تراش و خراش میں اس سے زیادہ پھل ملنے کی امید ہوتی ہے۔ ایک پہلوان کے قویٰ اسی وقت مضبوط ہوتے ہیں، جب وہ اپنے قویٰ کی طاقت بذریعہ کثرت خرچ کرتا

ہے۔ ایک حکومت اسی وقت مستحکم ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو غریب اور نادار ر
سمجھ کر ان کی بہبودی آرام کے لئے مال خرچ کرتی ہے۔ الغرض ایک چیز کے خرچ ہونے
چیز کی حیات وابستہ ہے۔ اگر دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم
غریبوں ۔ محتاجوں۔ ناداروں یتیموں بیواؤں کی مدد نہیں کی اور ان کی لئے سامان معیشت مہیا
انتظام نہیں کیا۔ناداروں کی گریہ و زاری پر کسی نے آنسو نہیں بہائے۔ بلکہ ان کا خون پی پی
فرعون اور قارون بن گئے، تو وہ قوم صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو گئی۔ اسلام وہ مذہب ہے
پیروں نے یتیموں۔ غریبوں۔ مسکینوں اور بیواؤں کو گلے لگایا۔ حسب و نسب کی لعنت کو مٹا کر
مساوات کا نمونہ دکھایا۔ انہیں اپنے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بٹھا لیا۔ غلاموں کو آزاد ہی نہیں
انہیں زیورِ علم و حکمت سے آراستہ کر کے تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ اور اخوت و مساوات کا
سکہ جما دیا۔

ہیچ خیر از مردک زرکش مجو — لن تنالو البر حتی تنفقوا
با مسلماں گفت جاں برکف بنہ — ہرچہ ازحاجت فزوں داری بدہ
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقررا افزودہ اند — مثل سلماں درمدائن بودہ اند
حکمرانے بودو سامانے نداشت — دست اوجز تیغ و قرآنے نداشت

اعمال صالح۔ **هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔**

خدا وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے رسول کو عظیم الشان ہدایت اور سچا دین اور راہِ عمل دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کے زورِ اثر سے باقی سب راہ ہائے عمل پر غالب آجائے۔ اگرچہ دشمنوں کو برا ہی لگے۔ اے ایمان والو! کیا تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو (دنیاوی شکست کے) درد ناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو۔ اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑا دو۔ تمہاری بہبودی' اور غلبہ و امت کے لئے یہی بہترین دستور العمل ہے۔ اگر تم اس کو سمجھو (یاد رکھو) ایسا کرتے رہو گے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کرے گا۔ تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دے گا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہے جسے تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ اس دنیا میں خدا کی طرف سے مدد ملے گی اور فتح تمہارے شامل حال رہے گی اور اے پیغمبر یہ بشارتِ تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

ایمان باللہ۔ ایمان بالرسل۔ ایمان بالکتب وغیرہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ پر قائم رہنے میں مسلمانوں کی فلاح تھی۔ انہیں ایک امتیازی زندگی عطا کی گئی تھی اور اس کے حصول کی شرط ایمان، تقویٰ اور خشیت اللہ پر تھی۔ مسلمانوں کا اس دنیا میں واحد منتہیٰ اعلون اور غالب بن کر رہنا تھا۔ قرآن میں رسول کے بھیجنے کی غرض اسے روئے زمین پر ہر پہلو سے غلبہ دینا تھا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے پیشِ نظر ایمان اور اعمالِ صالح کا زندہ اور پائندہ نتیجہ اللہ کی زمین پر خدا کی بادشاہت کا قیام تھا۔ قوانینِ فطرت کے مطابق جماعتِ مومنین کا استخلاف تھا اور ان کی جہاں بانی اور جہاں رائی تھی۔ مسلمانوں کی تمام زندگی اللہ کے نام کا بول بالا کرنے میں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں، مسلسل جدوجہد، پیہم سعی و عمل، عزمِ راسخ، استقامت، جہاد اور سپاہیانہ زندگی تھی۔ جس کی غرض و غایت نہ صرف عاقبت سنوارنا تھا بلکہ اپنے اعمالِ حسنہ کے جیتے جاگتے نتائج اس دنیا میں بھی دیکھنے تھے۔ وہ خوش حالی، نیک بختی، شان و شوکت، وقار، حکومت اور سطوت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی از روئے قرآنِ مجید مومن و اعمال حسنہ کرنے والی جماعت کی پاک اور برکت والی زندگی تھی۔ صحابہ کرامؓ قرآنِ مجید کے نورِ ایمان، علم اور حکمت سے بہرہ ور ہو کر قانونِ فطرت کا بغور مطالعہ کرتے تھے کہ جس پر دینی اور دنیوی بہبودی کا انحصار ہے۔ ان کے اندر اللہ کا ایمان اس قدر مستحکم تھا کہ اس کا ذکر آتے ہی ان کے دل کپکپا جاتے تھے۔ وہ اعلائے کلمتہ الحق کی خاطر اپنے متعلقین سے قطع تعلق کر لیتے تھے۔ وہی جو لوگ **جاھدوا فی سبیل اللہ حق جھادہ** کے صحیح مصداق تھے۔ راہ خدا میں جہاد اور ہجرت کرتے تھے۔ اور ایسے وقت میں لنگِ عذرات نہ کرتے تھے۔ مجاہدین پر اپنا مال خرچ کرتے تھے، وہ اللہ کے راستوں میں مصیبتوں اور تکلیفوں کا ثابت قدمی، صبر نماز اور استقلال سے مقابلہ کرتے تھے، دنیا کے اندر جم کر رہتے تھے۔ اللہ کی شریعت مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور فرقہ بند نہیں تھے۔

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے صحیح نمونہ تھے۔ وہ تقویٰ سعی و عمل سے قربِ خدا کی تلاش کرتے تھے اور اللہ کے سوائے کسی دنیوی طاقت یا حکومت سے نہیں ڈرتے تھے۔ نہ کبھی مایوس ہوتے تھے اور نہ کبھی حزین ہوتے تھے۔ ان کا واحد مدعا اولیائے خدا بن کر زمین کو اپنی وراثت میں لینا تھا۔ وہ اپنے امیر کے کامل طور پر مطیع رہتے تھے۔ وہ احکامِ خداوندی کا پورا پورا اتباع کرتے تھے۔

• ہمارے ایمان اس قدر ضعیف ہو چکے ہیں کہ ہم ان کے کارناموں کو پڑھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ کیا ان جیسے اعمال حسنہ کا بجا لانا کوئی سہل کام ہے۔ ہمارے لئے آج لائحہ عمل، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ظاہری ڈھانچہ ہے کہ جسے ہم رسمی طور پر پورا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری نجات کے واسطے کافی ہے۔ کیا یہ ارکان وہی نتائج پیدا کرتے ہیں کہ جو جماعتِ مومنین کی دنیوی زندگی کے خصوصی امتیازات تھے۔ ہمارے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے، مگر اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں رہی ہے۔ ہم انہی ارکان کی ظاہری شکل کو پورا کرنے میں سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے پاس بہشت کی کلید آ چکی ہے۔ قرآنِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جو اپنے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اگر ہم میں اہلیت نہیں تو جو چیز ہماری ہے اس پر دوسرے

قابض ہو جائیں گے۔ ہماری ذہنیت اس حد تک گر چکی ہے کہ آج ہم قرآن میں جہاں جہاں فلاح، سرخروئی، تمکنت، فوزِ عظیم، رزقِ کریم، حسن مآب، وراثت زمین کے متعلق پڑھتے ہیں، انہیں آخرت کی زندگی سے وابستہ اور متعلق خیال کرتے ہیں۔ اس دنیا کو یکسر دارالعمل اور اخروی زندگی کو دارالجزا مانتے ہیں۔ ہمارا کوئی ایسا عمل نہیں کہ جس کا نتیجہ اس دنیا میں برآمد ہو۔ باوجود مذہبی شدت اور ارکانِ دین کے پورا کرنے اور تسبیح و تقدیس میں منہمک رہنے کے ہماری دنیاوی حالت دن بدن روبہ تنزل ہے۔

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری حیات از حکمتِ قرآن نگیری
بآیاتش ترا کارے جزایں نیست کہ از یٰسین او آساں بمیری

خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (ہم نے موت اور زندگی پیدا کر دی ہے تا کہ ہم آزمائیں کہ کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے) یعنی اچھے اعمال کا سرزد ہونا حیات ہے اور برے اعمال قوم کی موت ہے۔ ہمارا اپنی جسمانی، دماغی اور اخلاقی قوتوں کو مکمل بنانا اپنے لئے فائدہ حاصل کرنا اور بنی نوعِ انسان کو فائدہ پہنچانا عملِ صالح ہے۔ آج جن قوموں کی جسمانی، دماغی اور اخلاقی حالتیں ترقی یافتہ ہیں، وہ نئی نئی ایجادوں تجربوں اور تحقیقاتوں میں روپیہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں، جانیں قربان کرتے ہیں۔ مگر وہ اس بات پر ثابت قدم رہ کر کامیاب ہو جاتے ہیں، کیا یہ عمل نتیجہ نہیں ہے؟ یا یہ کہ دو فریق جمع ہیں۔ روح و مادہ کی قدامت پر بحث ہو رہی ہے۔ حیات و وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر تو تو میں میں ہو رہی ہے۔ نجات کے واسطے کون سا عقیدہ ٹھیک ہے۔ تعزیے اور ختم و درود ٹھیک ہیں کہ نہیں۔ الغرض ایک طوفان برپا ہے۔ ہزاروں روپیہ انہیں مشغلوں میں بذریعہ اشتہارات ضائع ہوتا ہے۔ یہ الٰہیات کے جھگڑے برسوں سے چل رہے ہیں۔ کفر بازی کا ایک تلاطم بپا ہے۔ کیا ان باتوں کا عمل اور کردار سے تعلق ہے کہ جن سے قوم میں صلاحیت پیدا ہو۔

ابن مریم مر گیا یا زندہ جاوید ہے ہیں صفاتِ ذات حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے تابساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

کیا متاعِ فطرت سے مستفید ہونے والی قوم ہم ہیں یا وہ لوگ جو علم الاشیا کے حصول کے بعد علم و حکمت کے سمندروں میں غوطہ زنی کر کے بیش قیمت موتی نکالتے ہیں، مدد دیتے ہیں۔ اس وقت تک جس قدر علوم انسان نے حاصل کئے ہیں وہ سب ثوابت و سیار کی اشکال و حرکات کے مشاہدہ کرنے اور ان پر غور و فکر کرنے اور جس قدر کرہ ارض پر مظاہر قدرت ہیں ان سب کے مطالعہ سے اور تجربات کے ذریعہ سے حاصل کئے ہیں، مگر اس میں شبہ نہیں کہ ان اقوام نے بدبختی سے اپنے کاروبار سے "اللہ کے

ایمان" کو الگ کر دیا۔ اور اپنی کوششوں کے نتائج کو قوانین الٰہیہ کی ترازو سے نہ ناپا۔ جس کی وجہ سے ان میں فساد رونما ہو گیا۔ لیکن بہرحال وہ ہم سے تو ایک قدم آگے رہے۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے اندر نئے نئے "فرشتے" پیدا ہو کر ہمیں دنیا سے نفرت دلاتے ہیں اور چند ایک من گھڑت عقیدوں پر لگا کر زندگی کی کشمکش سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

اسی قرآں میں ہے اب ترک جہاں کی تعلیم جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تن بہ تقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ، ناخوب وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

یہ خیر الاُمت جو دنیا کی رہنمائی کے واسطے پیدا کی گئی تھی، آج دوسروں کی رہنمائی کی محتاج ہو رہی ہے۔ نہ انہیں یہ غرض ہے کہ اپنی جسمانی طاقت کو بڑھائیں نہ علم اور حکمت سے کوئی واسطہ ہے کہ جنہیں حاصل کر کے قومیں دنیا میں ترقی کے افلاک تک پہنچ جاتی ہیں۔ ہم تو آپس میں ایک دوسرے پر کلہاڑی چلانا ہی مدارِ نجات سمجھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان کو ذلت اور مسکنت ہر طرف سے گھیر رہی ہے اور روٹی کا محتاج نظر آتا ہے۔

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی
مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود خریدلی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

آب حیات کا چشمہ کہ جسے پی کر پھر زندگی پیدا ہو، وہ ایمان، تقویٰ، خشیت اللہ، علم و حکمت کے سمندر میں پنہاں ہے۔ اس کے واسطے تزکیہ قلب۔ دیدہ ریزی۔ دماغ سوزی۔ جدوجہد۔ سعی و عمل درکار ہیں۔ بڑی تنظیم کی ضرورت ہے۔ ہمیں قرآن نے بتا دیا کہ ہماری پوزیشن اس دنیا میں ایک مخدوم کی ہے **وسخر لکم ما فی السمٰوت والارض جمیعا**" تو پھر ان اعمالِ حسنہ پر کاربند ہونا کہ جن سے ہماری ملت دنیا میں پھر زندہ اور پائندہ ہو جائے، خدا کا بول بالا ہو جائے، رسولؐ کا نام روشن ہو جائے، ہماری بگڑی بن جائے، ازبس ضروری ہے۔ ان کے حصول کے لئے خواہ ہمیں موت کی گھاٹی میں جانا پڑے، سمندر کی لہروں سے ہاتھا پائی کرنی پڑے، پہاڑوں سے ٹکرانا پڑے، یہ سب کچھ کرنا ہو گا۔ اگر ہم میں عزم راسخ ہے تو دکھ اور تکلیف اور مصیبت کو صبر سے برداشت کرتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کریں، یہی ہماری فلاح ہے۔

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط با موجش درآویز حیاتِ جاوداں اندر ستیزاست

ہمارے رہنماء اہلِ احترام ملا اور صوفی اور سجّادہ نشین، اس کشمکش حیات کے طوفان سے بےخبر، اب تک حجروں اور خانقاہوں کے اندر ہُو ہا کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اور دنیا اور مافیہا سے بے نیاز ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دنیا ایک مردار ہے اور اس کا طالب کتا ہے۔ انہیں کیا پرواہ ہے کہ ملت کو کن مشکلات کا سامنا ہے۔ وہ بہشت اور حور و غلمان کے منتظر خاک کے آغوش میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ موت کی انتظار میں گھڑیاں گن رہے ہیں کہ کب جسدِ خاکی سے روح جدا ہو اور وہ بہشت میں داخل ہو جائیں

وہ کیا جانیں کہ ہزاروں برس کے مردے جنہیں بانگِ اسرافیل بھی زندہ نہیں کر سکی ... تقاضوں کے ماتحت حشر برپا کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور اپنی استعداد اور قابلیت ... اپنے حقوق چھین رہے ہیں۔

اے پیرِ حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے ...
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت — دے ان کو سبق خود شکنی ...
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی — دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں ...

قرآن تمام امتیازی نشانات کو جو دولت اور نسب کی بنا پر ہیں، باطل قرار دیتا ہے۔ مالدار ... دولت کا امین ہے۔ معزز وہ ہے جس کے اعمال سب سے اچھے ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد ... فرمانبردار بندے ہی بننا ہے۔ اور ہمیں اپنے ملی وقار کو قائم رکھنا ہے۔ ہم اپنے دین کو ... کے لئے فروخت نہیں کر سکتے۔ اگرچہ ہماری فلاح کا راستہ مہیب اور خوفناک ہے کہ جس میں سانپ ... بچھو کاٹنے کے واسطے تیار بیٹھے ہیں اور ہر ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے۔ لیکن کیا لعل و جواہر زمین ... جگر چیر کر نہیں نکالے جاتے۔ کیا بیش قیمت موتی سمندر کی تہ میں نہیں ملتے ہیں اور غوطہ زنی شرط ... ہے؟ اگر ہم میں ایمان تقویٰ خشیت اللہ۔ عزم راسخ۔ عمل مسلسل۔ اتحاد باہمی۔ اخوت اور ... فدائیت ہے تو ہم اپنے نصب العین کو حاصل کر سکتے ہیں۔

زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
کہ تجلیٔ دگراں درخور تقاضا نیست

• • •

مکان برائے فروخت

خود تعمیر کردہ مکان۔ رقبہ ڈیڑھ کنال

برلب موٹروے۔ راحت ٹاؤن۔ لاہور۔ شیخوپورہ روڈ

خریدیئے اور رہائش اختیار کیجئے

رابطہ۔ رفاقت صدیقی معرفت ناظم ادارہ۔ فون 5764484/341789/876219

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

فیسر محمد منور مرزا

دشمن کی افواہ اور قائداعظمؒ کا انتباہ

چند روز ہوئے بین الاقوامی یہودی مجلّہ "ٹائم" میں ایک بیان چھپا جو قائداعظمؒ سے منسوب تھا اس بیان کا مفہوم یہ تھا کہ جب قائداعظمؒ کوئٹہ میں بیمار تھے تو انہوں نے ایک ڈاکٹر سے کہا کہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تحریکِ پاکستان چلانا تھی۔

یہ یہودی مجلّہ دنیا کے سب سے زیادہ چھپنے والے مجلات میں سے ہے، یہ دنیا کے ہر ملک میں پڑھا جاتا ہے لہٰذا اس میں چھپنے والی خبر یا تبصرہ دنیا بھر میں پہنچ جاتا ہے، اسلام دشمنی اس مجلّے کی نمایاں شان ہے اس لئے کہ یہ یہودی عناصر کی ملکیت ہے اور ہندو سے اسکی سازباز ہے۔

1987ء کے موسم گرما کی بات ہے کہ کراچی میں ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی، شرکاء میں یہ حقیر گنہگار بھی شامل تھا، ایک شام مرحوم اے.کے.بروہی صاحب نے مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے اعزاز میں مختصر سے عشائیہ کا اہتمام فرمایا۔ مولانا کے علاوہ ہندوستان سے آنے والے تین چار اور علماء بھی تھے، پاکستان کی جانب سے فقط میں مدعو تھا، وہاں مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے مجھ سے باتوں باتوں میں فرمایا کہ ...... میں اکثر مسلم ممالک کی علمی، تعلیمی اور نصابی کمیٹیوں اور اکیڈمیوں کا رکن ہوں لہٰذا میرا مسلم ممالک میں آنا جانا رہتا ہے خصوصاً عرب ممالک میں، چنانچہ مختلف قسم کی اطلاعات میسر آ جاتی ہیں۔ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہودی کے سیاسی پروٹوکول میں اسرائیل کا دشمن نمبر ایک پاکستان ہے، چنانچہ اسرائیل کے نزدیک اسلامی ممالک میں سب سے قبل پاکستان کو زک پہنچانا لازم ہے۔ یہودی کی چالیں اتنی خفیہ اور لطیف ہوتی ہیں کہ ہم مسلم لوگ انہیں سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں کہہ سکتا ہوں کہ اگر پاکستان اور جاپان کے مابین کوئی معاملہ طے پا رہا ہو اور اس میں پاکستان کا کسی بھی اعتبار سے فائدہ مضمر ہو اور پھر اچانک وہ معاملہ طے ہوتے ہوتے ٹھپ ہو گیا ہو تو اس کے پیچھے یہ خرابی پیدا کرنے والا عنصر یہودی ہو گا۔ آپ لوگوں کا خیال ادھر نہیں جائے گا، اس لئے کہ بظاہر جاپان کے آپ کے معاملات سے یہودی کا کیا تعلق؟

اسی ذیل میں اپنے ایک وکیل دوست یاد آتے ہیں، میں ان سے ملنے انکے دفتر گیا، حسب معمول بڑے تپاک سے ملے اور دیکھا کہ وہ لمبی لمبی ٹھنڈی آہیں کھینچ رہے ہیں، یہ کوئی بیس برس قبل کا قصہ ہے۔ میں نے پوچھا حضرت ان عاشقانہ پُرحسرت آہوں کا باعث کیا ہے؟ اس پر

انہوں نے "زائرنگ" کی ایک کتاب دی اور کہا کہ میں نے آج ہی ختم کی ہے، میں اس کتاب کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پاکستان کا مستقبل واقعی مخدوش ہے، پاکستانی ایک قوم نہیں بن سکتے، تو پاکستان باقی کیسے رہے گا؟

میں نے عرض کیا اے میرے محترم دوست کتنی مبارک ہے وہ قوم جس میں اچھی خاصی عمر، تجربے اور تعلیم کے مالک اور بظاہر صاحب ایمان اور محب وطن افراد ایسے موجود ہوں جو دشمن کی بالیقہ اڑائی ہوئی ہوائی کو اس سادگی سے قبول کر لیں اور پھر آہیں بھرنا شروع کر دیں۔ میں نے بے مزہ ہو کر کہا میرے بھائی زائرنگ کو کیا پڑی کہ وہ پاکستان پر کتاب لکھے۔ میں اگر ویتنام پر کوئی کتاب قلبند کروں گا تو مطلب واضح ہے کہ وہ کسی ایجنسی نے مجھ سے لکھوائی ہے اور اصل ڈیوٹی مجھے اس کتاب کی تصنیف کے بارے میں یہ سونپی ہے کہ میں ویتنام کے مسلمانوں کو کس طرح ضرب لگاؤں اور اس طرح اگر اس ملک میں ان کی کوئی اسلامی جدوجہد ہے تو اسے نقصان پہنچاؤں؟ ورنہ آپ مجھے بتائیں کہ زائرنگ کو کیا پڑی کہ وہ ایک دو تین کتاب پاکستان پر لکھ مارے؟ میرے وہ مرحوم دوست بولے یہ کتاب لے جاؤ، پڑھو، اور پھر میرے ساتھ تبادلہ خیال کرو۔ میں نے وہ کتاب پڑھ ڈالی اور پھر کتاب سمیت ان دوست کے یہاں وارد ہوا اور کہا میرے بھائی میں نے یہ کتاب پڑھ لی ہے، اس نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اب آپ فرمائیں، اور مجھ سے کچھ مایوسی کی آہیں کھنچوا لیں۔

اصل بات یہ ہے کہ منافق، فاسق اور کافر بڑا قوی النفاق، قوی الفسق اور قوی الکفر ہے اور بندۂ مومن بیچارہ عموماً" ضعیف الایمان ہے حالانکہ ایمان کے مفہوم کی رُو سے بات اس کے بالکل برعکس ہونا چاہئے تھی۔ حضرت قائداعظمؒ اس امر سے آگاہ تھے۔ انہوں نے ظہور پاکستان عظیم الشان کے بعد کئی بار ارشاد فرمایا کہ دشمن نے پاکستان کی تحریک کے دور میں کئی شوشے چھوڑے اور مسلمانوں کو اس تحریک کی کامیابی سے مایوس کرنے کی کوشش کی۔ طرح طرح سے مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کے باب میں بدگمان کیا اور حوصلہ شکنی کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو استعمال نہ کیا ہو مگر دشمن کے ہر حیلے کے باوصف بفضل خدا جب پاکستان وجود میں آگیا تو پھر دشمن عناصر نے طرح طرح کی افواہیں اڑانا شروع کر دیں جن کا مفہوم یہ تھا اور ہے کہ پاکستان بن تو گیا ہے مگر یہ باقی نہیں رہے گا۔ یہ بد خبرانِ شوم (PROPHETS OF DOOM) پاکستان مسلمانوں کو بدگمان اور بد حوصلہ کرنے کی ہر کوشش کام میں لا رہے ہیں مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان تو قائم رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ اسکو بن کے نابود ہو جانا ہوتا تو یہ وجود میں نہ آتا، آپ لوگ ان قاصدانِ شوم سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے جائیں، اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ اپنی تاریخ کی روشنی میں تیاری کریں اور شاندار پاکستان کی تعمیر میں جُت جائیں۔

جن لوگوں نے قائداعظمؒ کی ان تقاریر کا مطالعہ کیا ہے جو انہوں نے ظہور پاکستان سے لیکر اپنی وفات تک ایک سال کے عرصے میں فرمائیں وہ بخوبی آگاہ ہیں کہ قائداعظمؒ نے کبھی ہاری ہوئی بات نہیں کی۔ انہوں نے تو پاکستان کو اتحاد عالم اسلام کے لئے پہلا مبارک قدم قرار دیا تھا۔ جن بزرگوار کی تمنا اتنی عظیم اور روشن ہو وہ یہ کہیں گے کہ وہ نادم ہیں کہ انہوں نے تحریکِ پاکستان کیوں چلائی؟

قائدِاعظمؒ کے معالجین میں جو فرد محترم تادمِ مرگ انکی بیماری کے دوران میں انکے ساتھ رہے وہ کرنل الٰہی بخش ہیں جنکی انگریزی زبان میں شائع شدہ کتاب پاکستان کے لاکھوں باشندوں کی نظر سے گزری۔ اس کتاب میں کرنل الٰہی بخش نے قائدِاعظمؒ کی کئی باتیں نقل کیں۔ ایک یہ بھی کہ دنیا میں اعلیٰ مقاصد کیلئے تحریکیں اٹھتی ہیں لیکن ایسا شاذونادر ہی کبھی ہوا ہے کہ تحریکوں کے بانیوں کی زندگی میں وہ مقاصد حاصل ہو گئے ہوں جن کیلئے کوئی تحریک عمل میں آئی ہو۔ "ڈاکٹر صاحب میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پاکستان میری زندگی میں بن جائے گا۔ یہ میری کتنی خوش قسمتی ہے کہ پاکستان بنتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا" .... کرنل الٰہی بخش تو یہ کلمات نقل کر رہے ہیں اور "ٹائم" کے یہودی افواہ ساز یہ کہہ رہے ہیں کہ قائدِاعظمؒ نے تحریکِ پاکستان کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی قرار دیا تھا۔ حیرت ہے اتنی بڑی بات "ٹائم" والوں نے دنیا بھر کے لوگوں تک پہنچا دی۔ اس کے پیچھے نیت کیا ہے، بالکل عیاں ہے .... تاکہ دین دشمن لوگ پاکستان کے مزید دشمن بن جائیں .... تاکہ جن لوگوں کو پاکستان کا بننا گوارا نہ تھا انکی حوصلہ افزائی ہو اور انکو پاکستان کے خلاف کہنے کیلئے مزید دلیل میسر آ جائے، تاکہ وہ اہل دین جن کے دلوں میں بغض کی بیماری آرام فرما ہے وہ کہہ سکیں "دیکھا ہم نہ کہتے تھے"۔ تاکہ ضعیف الایمان حضرات جو افواہوں سے بسرعت تمام متأثر ہوتے ہیں وہ قوم میں مایوسی پھیلانے کا فرض ادا کرنا شروع کر دیں .... و علیٰ ہذا القیاس،

ستمبر 1965ء کی جنگ کے پہلے روز صلیبی برطانوی اور ہندو پرست ریڈیو بی.بی.سی نے خبر نشر کر دی کہ ہندوستانی فوجیں لاہور میں داخل ہو گئی ہیں۔ بس پھر کیا تھا وہ جو ایمان والے تھے جوق در جوق سرحدوں کی طرف شہید ہونے کے جذبے سے چل پڑے اور وہ جو مائع اور چھلک دار ایمان والے گاندھی کے پجاری تھے وہ اپنے عزیزوں میں یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ بھلا بیسیویں صدی میں مذہب کے نام پر بننے والی کوئی ریاست ٹھہر سکتی ہے؟ .... پھر اگلے ہی روز جب جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو دوسروں کے ساتھ انہوں نے بھی نعرۂ تکبیر لگایا اور پاکستان زندہ باد کہنا شروع کر دیا۔ دشمنوں کے تنخواہ دار ایجنٹ جو افواہیں پھیلاتے ہیں، انکی کارکردگی ہے

زیادہ بزدل مسلمانوں کی بزدلانہ باتیں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ افواہوں کی زد میں آ کر بزدل جرنیل اپنی بہادر سپاہ سے ہتھیار ڈلوا دیتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا اس میں مجیب الرحمان، بھٹو، علماءِ کرام کی انا، جرنیلوں کی قوتِ فیصلہ سے محرومی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی امریکی اور روسی پراپیگنڈہ اور افواہ سازی نے بھی بڑا کام کیا اور بڑا کام دکھایا۔

اپریل 1948ء میں جب قائداعظمؒ مشرقی بنگال تشریف لے گئے تو انہوں نے جہاں اہلِ مشرقی پاکستان کو اور بہت سی باتوں کے باب میں متنبہ کیا تھا، وہاں اس امر پر بہت زیادہ زور دیا تھا کہ دشمن افواہوں سے بھی کام لے گا، بے پَر کی اڑائے گا، آگاہ رہنا...... ہاں اور قائداعظمؒ نے بطور خاص یہ بات کہی تھی کہ دشمن کی افواہوں کا اولین ہدف مشرقی پاکستان میں ہو گا اسلئے کہ یہاں وہ عناصر (مراد تھا ہندو اور کمیونسٹ) پہلے سے موجود ہیں جو ان افواہوں کا استقبال کرینگے۔ بیرونی دشمن کی افواہ سازی سے بھی آگاہ رہیں اور اندورنی دشمن کی شوشہ کاری سے بھی۔ مگر احمقوں اور سادہ دلوں نے اپنا کام دکھایا، نیز بددیانت اور ہوس پرست اہل سیاست نے اپنی زبان کو دشمن کا توپ خانہ بنا دیا، نتیجہ عیاں ہے۔

قائداعظمؒ جیسا سیدھا چلنے والا شخص اتنی اہم راز کی بات تحریکِ پاکستان کے خلاف ایک ڈاکٹر سے کہتا جو نہ عزیز تھا نہ دوست؟ لیکن افواہ ساز دشمن کو پتہ ہوتا ہے کہ دنیا میں احمقوں کی کمی نہیں، بڑے بڑے عالم جو علم کے ساہو کار ہوتے ہیں فہم و فراست کے ضمن میں قلاش پائے جاتے ہیں ان کو شکار کرنا آسان ہے۔

مائی فاطمہ جناحؒ کی کتاب "میرا بھائی" میں درج ہے کہ قائداعظمؒ نے عید الفطر 1948ء کو جو بیان جاری فرمایا وہ انکے اہم ترین اور بھرپور ترین بیانات میں تھا۔ اس بیان میں اور بھی بہت کچھ تھا لیکن ایک بات یہ بھی تھی کہ "ہمت سے کام لیجئے اور پاکستان کو بنایئے جو ہمارے خوابوں کا پاکستان ہے"۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ عزیزم منیر احمد منیر نے شائع کیا ہے۔

عیاں ہے کہ ہندو اور انگریز کی سازش سے ہمیں وہ پاکستان نہیں مل سکا جو ہمارا حق تھا۔ اس کے حصول کیلئے کوشش جاری رہنی چاہئے تھی۔ یہ بیان وفات سے کچھ ہی روز قبل ارشاد ہوا تھا۔ نیز یہ بھی عیاں ہے کہ اگر کوئی اتنی اہم راز کی بات کرنی ہوتی تو وہ اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح سے کرتے، جو عمر بھر کی ہمراز تھیں۔ فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ کوئٹہ سے اتر کر جب کراچی ٹھکانے پر پہنچے تو قائداعظمؒ کو کوئی دو گھنٹے غنودگی سی میسر آ گئی جس کے دوران وہ بڑبڑا کر کشمیر کا ذکر کر رہے تھے۔ مہاجرین کی آبادکاری پر زور دے رہے تھے اور آئین کی تیاری کی تلقین کر رہے تھے، وغیرہ.......

پھر جب ہوش میں آئے تو فاطمہ جناح سے کہا "خدا حافظ"۔ فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ ساتھ ہی

ان کی زبان پر تھا لا الہ الا اللہ .... پھر اٹک اٹک کر خاموش ہو گئے .... انا للہ وانا الیہ راجعون ...... قائداعظمؒ زندہ باد پاکستان پائندہ باد

بشکریہ روزنامہ۔ نوائے نوقت

• • •

علامہ پرویزؒ کی قرانی فکر پر جس نے ان گنت تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قران کی طرف لانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے' وقتاً" فوقتاً" مختلف گوشوں سے اعتراضات ہوتے رہتے ہیں۔ انہی اعتراضات کا ایک سلسلہ' مردان کے مولوی مدرار اللہ صاحب کی تصنیف

"پرویز اور قرآن"

سامنے آئی جس میں ماسوائے عنوان کتاب' سب دروغ بافی،کذب بیانی اور اپنی کم علمی اور کج فہمی کے سوا کچھ نہ تھا۔

محترم پرویز صاحبؒ کے تبحر علمی سے استعفادہ کرنے والی ایک فاضل شخصیت جناب صابر صدیقی صاحب نے اس کتاب کا مدلل جواب

ابلۂ مسجد

کے نام سے تحریر کیا جو اطلاع اسلام ٹرسٹ نے شائع کی ہے۔ یہ منفرد کتاب نہ صرف اعتراضات کا جائزہ لیتی ہے بلکہ پرویز صاحبؒ کی قرآن فہمی سے روشناس بھی کراتی ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) /Rs. 100

نیجر طلوع اسلام ٹرسٹ
25 ۔ بی گلبرگ 2 ۔ لاہور

طلوع اسلام منکر حدیث ہے !

..... یہ الزام تو آپ نے سنا ہو گا.....

لیکن یہ حقیقت شاید ہی آپ تک نہیں پہنچی ہو گی کہ :۔

☆ - احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟

☆ - یہ کس طرح مرتب ہوئیں؟

☆ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت کس حد تک صحیح ہے؟

☆ - اقرار و انکارِ حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس باب میں طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے اور وہ جو اسے منکر حدیث بتاتے ہیں، وہ خود کس طرح منکر حدیث ہیں؟ علم حدیث کے موضوع پر یہ جامع کتاب ہے جسے

مقام حدیث

کے نام سے بڑے سائز میں شائع کیا گیا ہے !

اس قدر پُر از معلومات ہے کہ اس کے مطالعہ سے آپ بیسیوں کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ !

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن۔ /Rs. 120

سٹوڈنٹ ایڈیشن۔ / Rs. 45

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

25۔ بی گلبرگ 2۔ لاہور

• • •

پاکستان میں
علامہ غلام احمد پرویزؒ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1۔ ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ: گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
2۔ ایبٹ آباد	234 کے۔ ایل کیہال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عندالطلب
3۔ اوکاڑہ	60۔ خان کالونی۔ فیصل آباد روڈ رابطہ: رانا ندیم سہیل (ایڈووکیٹ) فون: 511010	دوسرا اور چوتھا جمعہ	4 بجے شام
4۔ بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر5۔ رابطہ فون: 55438	پہلا اور تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
5۔ پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ: 840945	ہر بدھ وجمعہ	5 بجے شام
6۔ پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
7۔ پیر محل	مکان نمبر 140/139۔ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
8۔ پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے سہ پہر
9۔ جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد، جی۔ ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	4.30 بجے شام
	القلم سکول چک جمال روڈ۔ کالا گجراں	مہینے کا آخری جمعہ	9 بجے صبح
10۔ جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
11۔ چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر ہٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
12۔ چک 215 ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
14۔ حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
15۔ راولپنڈی	بمقام E-47/4385 اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4.30 بجے شام
16۔ سرگودھا	60۔ اے سول لائنز، ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: 720083	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
17۔ فیصل آباد	23۔ سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون: 720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے دوپہر

شہر	مقام	دن	وقت
18- کراچی	کراچی سی بریز، روم نمبر 105 شارع فیصل رابطہ شفیق خالد- فون: 0201-713575	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
19- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ، 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور، فون: 312631	جمعۃ المبارک بروز پیر	11.30 بجے صبح بعد نماز مغرب
20- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال- ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
21- کوہاٹ	برمکان شیر محمد، نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
22- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ- رابطہ فون: 825736	جمعۃ المبارک	4 بجے سہپر
23- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
24- گجرات	مرزا ہسپتال، کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
25- گھو ینکے (سیالکوٹ) برمکان محمد حسین گھمن		ہر ماہ پہلا جمعہ	بعد نماز جمعہ
26- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
27- مکان نمبر 1582/83 عید گاہ روڈ محلہ جاڑن شاہ		جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
28- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
29- ماموں کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب رابطہ فون: 04610-345	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
30- رانی پور	اوطاق ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء
31- واہ کینٹ برمکان محمد اکرم خان 21-FC/231		بروز بدھ	چھ بجے شام

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہوتا ہے۔
تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے
جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

A PROFILE OF VALUE EDUCATION IN PAKISTAN AND OPERATIONAL MECHANISM FOR STRATEGIC EDUCATIONISTS OF THE NEXT MILLENNIUM

By
Dr. Manzoor ul Haque

This paper of Dr. Manzoor Ul Haque may not be of much interest to the common readers but it can be of immense value to those inclined to develop Value Education in Pakistan- Editor

1.0 RATIONALE

Pakistan, an ideological state and a country with a civilization that was centuries old, was established on August 14, 1947. Its population has grown to an estimated 100 million (Khan, 1989). The economic structure is predominantly agrarian with 72% living in rural Pakistan but the process of urbanization is fast taking place due to differentials in earnings, prospects of gainful employment in urban centres and inadequacy of basic facilities like health, education, transport, electricity and drinking water in rural Pakistan.

There are many languages, cultures and religions, Urdu is lingua franca; and the official religion is Islam. Freedom of worship is permitted.

After independence, the founder of the nation, Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinah wanted to tackle educational policy and programme on the lines suited to the genius of our people consonant with our history and culture having regard to the modern conditions and vast developments that have taken place all over the world. In other words, it was to preserve the Islamic way of life ... (i.e.) those values which emanate from the concept of a universe governed by the principles of truth, justice and benevolence, where human relations are based on the ideal of universal brotherhood, and where all these are rooted deeply in religious belief. The moral and spiritual values combined with freedom, integrity and strength of Pakistan should be the ideology which inspires our educational system. (The Commission 1959, para 28, p.11). The Commission (1959) assumed Educational system of nation should be consonant with the country's self-image; indeed, that it is the medium through which these aspirations come to be realized (para 1, p. 5). The New

[illegible] of the aims as to impart a common [illegible] of Islam (para 20, p. 8).

[illegible] Radio and Television network on [illegible] pull ourselves out of the sloth of [illegible] (p. 1) The Education Policy [illegible] (1) Building up national [illegible] compatible with our basic [illegible] (2) Building up and [illegible] dynamic and creative; capa- [illegible] study of reality and con- [illegible] and the environment, of a [illegible] technical and social change. (pp. 15,16)

The Government's main task has been to promote national unity and development, to set up a system of education to fulfil the needs of the nation and to initiate cultural, social and political development. Building national cohesion, according to the precepts of Islam as the goal of education, has further reinforced cognitively to the national ideology.

The five principles, according to the Holy Quran, are the five fundamental facts which one has to accept in order to become a Momin: (1) Eiman in Allah; (2) Eiman in the law of Mukafat (law of Requital) and the life hereafter; (3) Eiman in Malaika, the heavenly forces; (4) Eiman in the revealed Books; and (5) Eiman in the Ambia: Where-as;

- Eiman in Allah means to have faith in His existence, to trust His every word, to depend/trust the laws given by Him and declare that one would obey those laws.

- To have faith in the law of Mukafat means to have firm conviction in that law: the natural consequences of actions, and to have faith in the continuity of life after death.

- To have faith in the existence of Mala'ika means to believe that all the heavenly forces are in operation in the universe to bring into reality the tasks/programmes given to them by Allah and to have faith that all the heavenly forces have bowed before man or have been ordered to come within his reach, or man has been made capable of conquering them after doing research.

To have faith in Ambia means that man's intellect alone cannot safely reach the destination - this guidance has been provided in "Wahi", revelation, through the chosen people called Ambia and whatever the Creator and Sustainer of this universe wished to be given for the enrichment and growth of human personality, were communicated in their most perfect form through Rasool-Allah Muhammad (peace be upon him).
In the 60s, 70s and 80s the message of Islamic Ideology was tried to be transmitted to students by incorporating these five principles through the teaching of subjects such as Islamiyat, Pakistan Studies and languages.

At present values are indirectly taught across the curriculum and directly as a subject of Islamiyat. The use of value-oriented contexts commonly occur in the teaching and learning of languages. Pakistan Studies, Social Studies and Science have components that either deal directly with values or have components which imbibe values to be introduced spontaneously. Extra-curricular activities like clubs, societies, sports, games etc. too play roles in the inculcation of desirable behaviours in terms of interaction with one another. The school culture, referring to the total environment, physical and non-physical both, has an influence for embedding values in the moral fibre of the student cartel. But the studies during 90s bring this point in view that moral degeneration in national life is the reason why actions are motivated by material gains, while other values of life have been thrown overboard. (Khattak, 1991, p. 6). In one Study (1991) the parents and the teachers projected the view: the character development issue is choked with the fray fabric of the system of education in vogue . . . , (and) the type of religious education the pupils get, do not enable to harness the heavenly forces for the development of their personality (Bureau, 1991). The result is that the educated youth does neither conform through their character to the expected norms nor to the humanitarian aspects of the prevalent educational enterprise. The major process of educational renovation for ideological orientations has remained secular in character and the concept of permanent values as embedded by our Holy Prophet Muhammed (PBUH) in the teaching learning process had not been imbibed in the curriculum process in Pakistan (Manzoor, 1993).

This paper deals with the description of value education programme in Pakistan and the development of operational mechanism for strategic educationists for the year 2000 and beyond as a brave enterprise.

2.0 VALUES EDUCATION PROGRAMME

Values act as a powerful leaven in the life of people - the life which today is fought with conflict-and-dissension-ridden situation in which the hearts are stricken by the canker of greed, corruption and incompetence; and its remedy, under the existing conditions, is in noose; the more it tugs, the more it chokes. It is because no system of human organization that is false in its very principle, in its very foundations, can save it-self by any amount of cleverness and efficiency in the means by which that falsehood is carried out and maintained by any amount of superficial adjustment and tinkering. Only and only the education based on permanent values can with-stand the test of time.

The broad objectives of this values education for the primary and secondary schools, to begin with, is the development of an individual who recognizes, accepts and internalizes his/her role as a responsible decision maker in accordance with these permanent values in a democratic society such as that his/her actions are governed within the boundary walls of these values.

2.1 GENERAL DESCRIPTION OF CONTENTS OF VALUES EDUCATION PROGRAMME: MODUS VIVENDI

The Curriculum for values education would consist of values drawn from the Holy Quran like the Holy Prophet's Quranic teaching process. The values would be essential to ensure the healthy interaction between the individual and his/her family, peers and society.

The reflection of these values through the student's behaviour would be the end product of teaching-learning process and would be seen in the widening relationship being projected between his/her family, peers and school and this would ultimately be expanded to national and inter-national levels in the days of their lives to come.

For reinforcement, consolidation and inculcation, these values would be repeatedly taught at every level of schooling. Though the values taught would be the same, the scope and emphasis would differ according to the depth and complexity of the issues treated. The scope of discussion for every value would also widen to keep at par with the maturity level of the students.

These values would not be listed in any particular hierarchy of importance, but would be instilled in the personality of suited to their genius during any lesson of the subject being studied. This would be necessary because of the focus of value education would be based on the vicissitudes of their life during the teaching and learning process.

2.2 LIST OF PERMANENT VALUES

The following values would form the underpinning of curricula of values education at various levels:

1. Human Personality, the Divine Energy
   Its development as the ultimate goal of life on this earth.
2. Respect for the Human Beings
   All human beings are equal by birth and are worthy of respect.
3. Status according to the Actions
   - Criterion of respect is according to the man's personal qualities.
4. Justice
   - Equality to all the human being by virtue of its birth.
   - Uniform opportunities for development of its potential.
   - Reward corresponding to his/her efforts.
   - Not suppressing what is due to him/her.
   - Deciding all matters on all human beings.
5. Punishment
   - To the nature of crime committed.
6. Personal Responsibility
7. Zulm
   - Wrong not and not be wronged.
8. Ehsan
   - Maintain proportion among the disproportioned as a matter or right.
9. Freedom
   - Maintain freedom for every individual and pay respect to freedom.
10. Subservience
    - To Allah's revealed laws alone.
11. Law or Requital
    (Law of Mukafat)
    - Establishment of Natural Consequences of Actions, overt or covert.
12. Social Justice
    - Not confounding truth with falsehood.
    - Nor knowingly conceal the truth what-so-ever be the reason: favouritism, greed, envy, enmity victimization, self-interest.
    - Not hiding testimony.
    - Not pleading the cause of the perfidious, the dishonest, the distrust or the treacherous.
13. Obey and ordain to Obey the Recongnized Laws for the Establishment of Society.
    - Enjoin right conduct and forbid indecency for the establishment of a society.

14. Avoid Anarchy, Rebelliousness and Lawlessness.
15. Permanent Values as a Boundary line for Human Actions.
    - Be within the boundaries of the permanent Values and consult others for deciding partial matters.
16. Render back the Trusts
    - Trust those alone who deserve and never to the undeserved.
17. Subsistence
    - Keep the sources of production open to the benefit of the humanity as a whole.
18. Intellectual and Physiological Nourishment of Others Strengthens One's Own Personality.
19. Chastity
    - Put safe-guards for the preservation of chastity.
20. Universal Brotherhood
    - Develop brotherhood pianism.
21. The Survival of the Constructive.
    - Be beneficial to the humanity in terms of those which are constructive and are based on permanent values and not in those affairs which are destructive and unlawful.
22. Co-operation, Corroboration
    - Co-operate one another unto righteousness alone.
23. Reflect the Attributes of God in Behavior.
24. Security
    - Provide security so that every one is dealt within the permanent values.
25. Slavery
    - No human being shall be a slave or a subject to his/her fellow beings.
26. Limitations to Human Actions.
    - Follow that which is sent down to you from your Nourisher and follow not any other protector beside Him.

2.3 LIST OR RELATIVE VALUES

If there is no clash or tie between these values and permanent values, these values will be incorporated in behaviour. In case of tie, only the permanent values will be strengthened even at the cost of one's own life.
The list of relative values is:

1. Life-partner and Offspring's Love.
2. Lust for Wealth.
3. Security of Life.
4. Safety of the Haven, the Hearth and the Crops.

(Contd.)

2.4 CURRICULA AND TEXTBOOKS

Personality is the kernel, the core, the hum or the nucleus of the proposed values
education which either integrate or disintegrate it. The whole model of this values
education metaphorically draws upon it "that hard kernel of gaiety that never
breaks" (Manzoor, 1993, p-17). The ideological and Socio-economical founda-
tions of this model on the basis of which the curricula of all the disciplines, social
or physical sciences or the professionals pursuita like the Medical, Engineering
and Teacher Education, would be worked out at the State level.
The ideological basis would provide the foundations for the cognitive inputs as
well as all kinds of outputs of all the social and physical sciences. The economic
foundations would promote economic development as well as stability in the per-
sonality and the social foundations would provide the underpinnings to be embed-
ded in the curriculum fabric so that the students may bring these values forth
through their overt and/or covert behaviour. However the. textbook for various
classes, to begin with, would be prepared and published by the State as it may de-
termine.

2.5 TEXTBOOKS, TEACHERS, GUIDE BOOKS AND TEACHING KITS

The Bureau of curriculum and Extension Wing, Sindh, Balochistan. NWFP and curriculum Research and Development Centre, (CRDC) Lahore, under the guiding principles of the Federal Ministry of Education would prepare textbooks and teacher's guide books according to each grade. Each guide book would contain: (i) objectives of value education; (ii) detailed analysis of the inbuilt values: (iii) learning objectives; (iv) teaching and learning strategies; and (v) suggested activities.

The teaching kits, in addition to charts, flash cards, scientific and mathematical equipments, would also provide serial pictures and booklets on short stories at the primary level. For the secondary school teachers, the curriculum development agencies would provide (i) objectives; (ii) each value to be imbedded in personality fiber; (iii) teaching and learning objectives; and (iv) suggested issues and situations that could be used to relate/reflect the values.

The training kit would also be developed for the purpose for conducting in-house training programs for the teachers. This training kit would material related to (i) roles of school administrators, and (ii) the conducive school culture, (iii) values across the curriculum, and (iv) video cassettes on the teaching and learning of each subject taught in the school curriculum.

2.6 TEACHER TRAINING PROGRAMS: APPROACHES AND STRATEGIES

The present teaching model does not include the personality area of the students. Pedagogy would be designed to incorporate: (i) objectives of value education; (ii) detailed analysis of the values to be imbibed in the students behaviours; (iii) learning objectives; (iv) teaching and learning strategies; (v) suggested activities: and (vi) personality development. This would provide means of helping students to develop positive attitudes that are important in the progress of a society. Therefore, the approaches devised and strategies employed would provide students with the opportunities to see and relate issues and problems from a moral perspective.

2.6.1 TEACHING APPROACHES

Pre-service and in service courses would be conducted for trainees and trained teachers. The several approaches; they would be exposed to, would include: (a) values analysis;

(b) values clarification; (c) values inculcation; (d) social action; (e) cognitive development.

The value analysis approach would facilitate students to:

- use logical thinking and cause-effect relationship for solving characters inflicts related to personal, social and political issues.
- use analytical processes in inter-relating and conceptualising the values

The values clarification approach would help the students to:

- become aware of and identify their own values and those of others
- communicate openly and honestly
- use both national needs and emotional awareness to evaluate personal feelings, values and behaviour patterns

The values inculcation approach would enable the students to:

- imbibe values in the behaviour in a balanced way
- justify why these values have to be internalized and practised

The social action approach focuses on training students to:

- act as living models of these values
- make judgements in accordance with the values when faced with conflicting situations or moral dilemma related to self or other's vested interests

The cognitive development approach would facilitate students to:

- develop more complex reasoning patterns based on combined set of values
- act according to the permanent and the relative values
- make wise choices of values for reflections in their behaviour, overt or/and covert

2.7 TEACHING STRATEGIES

Teachers would be encouraged to use a combination of strategies to make every lesson more meaningful, effective and motivating to students. For this purpose the suggested strategies would include: (i) problem solving (ii) discussion; (iii) project work (iv) story telling; (v) acting; (vi) singing; and (vii) simulation games. At primary level, for imparting knowledge, imbibing value for shaping their behaviours, the most effective teaching strategies would be (i) story telling, (ii) acting, and (iii) singing, whereas at the secondary level, for strengthening the practice and rationally in making decisions, the appropriate teaching strategies would be: (i) group discussion, (ii) problem solving, and (iii) project work.

2.8 EVALUATION OF VALUES EDUCATION

The values education emphasizes on the cognitive and effective domains. In order to have an objective evaluation-fair and just-of each student (a) school-based assessment and (b) public examinations would be required. School-based assesment would be for primary level and would be done through obervatioal work done and would include daily exercises such as essays tests would be carried out through interaction between the teacher and taught and among the taught. This would be only to validate student's behaviours evaluated through observation and feedback from the society.

Public examinations would be for secondary level and would be done through tests on their knowledge of values and their projection through reasoning skills in answering questions. These questions would be set to (a) evaluate knowledge of the values: (b) evaluate understanding of the considerations leading to the values: where the students would be required to respond to the stimuli given by written answer in the spaces provided; these stimuli would be set in the form of moral situations of dilemma; short questions would be designed and answers sold have to be give in the form of views and opinions and marks would be awarded on knowledge and maturity of thought, the questions would be structurally set and (c) evaluate the student's ability to apply the gained knowledge; where students would be required to use their ability to apply the gained knowledge; where students would be required to use their ability to analyze moral problems and issues posed in the questions and make appropriate decision: where the students would not only have to have their views and opinions but also would need to reason out their responses.

2.9 COMMUNITY PROGRAMME AND THE MEDIA

Community programs related to education, culture and recreation would be useful because these programs would enable children and adults to interact which other while experiencing and practising these values. These programs would be organized by goventrment agencies such as the Ministry of youth and sports, the Ministry of Information and Broad Casting Voluntary organization etc. The mass-media would also participate in the promotion of value education activities. The electronic media such as television and radio would telecast educational programs which would embed value as desired through the curriculum. The print media such as newspapers and magazines would also publicize articles based on the value education.

2.10 IMPLEMENTATION PROBLEMS OF VALUES EDUCATION

The major problems would fall in the areas of (a) teaching learning phase because the teacher would have to teach the same value from year to year where means and ways would have to be found to create an interesting environment and effective teaching strategy, (b) evaluation of student's moral behaviour, because it would be difficulty to know precisely what are the true thoughts and values which the student's uphold internally; the consistency of the values observed over time and across situations would still not be certain; in the contradictory-and-dissension-ridden society the values taught in schools would be contradictory to what is happening at home; and (c) controlling the types of materials produced by mass-media. The implementation of this program would depend on all groups of the population from the school and the community.

3.0 OPERATIONAL MECHANISM FOR STRATEGIC EDUCATIONISTS

The operational mechanism for revamping the system of value education would be four-pronged; (a) incorporation of the Law of Requital; (b) resurrection of the present system of education on the recognition of Allah as the Rabb, the Nourisher; (c) organization for the course of self development; and (d) strategic pedagogy for content base on the empirical theory of knowledge. Strategic measures for each of the four prongs would have to be worked to keep balance between the changing the socio-economic conditions o the time and permanence of human personality.

The main points of the strategic measures for judging the end-product of this value education would be:

(1) Students engaged in understanding and controlling the heavenly forces and shaping their lives according to these permanent values would be **MOMINS** and **MUTTAQIS**. They would enjoy happiness in this world and would enjoy it the next stage of life.

[illegible] Those who achieve the conquest of nature but use their power for purposes opposed to the permanent values would be rewarded with success in this world for the time being but would have nothing to hope for in the future.

[illegible] Those who turn away from nature and make no attempt to understand and conquer it would not attain human stature. They would live a life of hardship and misery in this world and would find the way to progress blocked in the life hereafter.

It is therefore, desired to base this operational strategy; (a) on the pristine ideological pursuits rooted in the permanent values; (b) execute these pursuits with the constructive potential in accordance with the Divine Law given in the Holy Quran: "Only the Tayyab ideology sublimes to Him and the Saleh acts take to its culmination (prescribed by) Him alone."

The judge the success of the value education, the end product would be to help the student (a) understand and control the forces of nature, (b) shape their lives according to the permanent values, and (c) enjoy happiness in this world and the world here after the MOMINS (Believers) and MUTTAQEES(Piousmen).

5.1 TYPE OF VALUES AND OBJECTIVES

Some of the values and objectives for the inculcation in behaviour are given as under:

VALUES	OBJECTIVES
Human Personality	-Aware of own potentialities -Efforts for developing own -personality with a with a balance among its potentials, talents and traits having a choice of adequate selection -Accept it as a ledger of total records making it integrative or disintegrative -Self-supporting -Aware to make decision and solve problems
Justice	-Accord equality to all the human beings by virtue of its birth. -Provide uniform opportunities for the development of human being's potentials. -Determine the status corresponding to his/her actions -Work with dedication.
Justice in Court of law	-Not pleading the cause of perfidious -Conceal not the truth what-so-ever be the reason

	-Confound not the truth with falsehood -Efficient time management
The survival of the Constructive	-Be beneficial to the humanity in those affairs which are constructive and based on permanent values -Assisting others who are in need -Willingness to forgive
Limitations of human Actions	-Follow that which is sent down to you from your Nourisher -Feeling of tolerance towards others -Co-operation -Operational skills
Render back the trust	-Return the deposits and the reigns of power to those who deserve -Be disciplined, honest and industrious -Fulfillment of work goals -Organizational effectiveness
Respect for Humanity	-Know that all human beings are equal by birth and are worthy respect without discrimination of colour, creed, cast, sex -Develop work habits that are healthy -Respect for all
Deserve for what you Strive for	-Get the fruit of your own struggle alone -Work hard to deserve -Interest towards work -Honesty and positive attitudes towards work and responsibilities

These permanent values inbuilt compassion (i.e. the feeling of tolerance towards others), self-reliance, self-supporting, diligence (i.e. self-development), co-operation(i.e. team work) etc.

Researchers prove that effective skills are needed to ensure success and attitudes. Therefore, the teachers would have to be (i) equipped with necessary skills and knowledge to perform their roles effectively in inculcating values in their stu-

[illegible] skilled in the various teaching approaches and strategies to be able to [illegible] properly and effectively; (iii) able to resolve the students problems through [illegible] competent in the knowledge of humanistic and acculturate [illegible] (v) role models to their stude..s all the time.

[illegible] CONCLUSION

[illegible] education regulates as a motive-valence for living peacefully in this [illegible] on the doctrine of mutual respect; for the development of human self: [illegible] life within the boundary walls of the permanent value of the em-[illegible] in the Holy Quran, the only code of life on this earth. [illegible] would make as [illegible] Nourisher, on the return of the human beings to Him, welcomes:

But ah; thou soul at peace!
Return unto thy Nourisher,
Content in His good pleasure.
Enter thou among My bondmen;
Enter thou My Heaven;

DARS-E-QURAN (ABROAD)

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)

BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
2.	**DENMARK** Mr. M.Afzal Khilji, Gammel Kongevej 47,3.th., 1610 Kobenhavn V	Last Sat 1900 Hrs
	Kuwait Flat No. 6, Floor No. 3 Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque, Hawally, Kuwait	Friday 9:30 AM
4.	**NORWAY** Galgeberg, 4th floor(suspended for the timebeing owing cold weather)	1st Sun 4.PM
	Trosvik Snippen.3 1610. Fredrikstad	Sunday 12.PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
	(i) Birmingham 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
	(ii) London 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
	(iii) Yardley 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
	(iv) Essex 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
	(v) Yorkshire Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
	Dars-e-Quran Oslo (NORWAY)	Time being Re-adjusted